زرد زمانوں کا سویرا

عالیہ حرا

Digest Novels Lovers group

بھی [illegible] کی، مگر اجنبی نہ بھی
یہ اور بات ہے [illegible] نہ بھی
یہ تو نہیں کہ ان کی رفا[illegible] کی عزیز
جو بات منہ سے کہہ نہ سکے بس وہی نہ بھی

Digest Library

وہ بہت ملول اور اداس بیٹھی تھی۔ معلوم نہیں کون سا ایسا گناہ کون سی ایسی کوتاہی اس سے سرزد ہوئی تھی کہ جس کی اسے اس صورت میں سزا ملی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس وقت زندگی کا بدصورت ترین چہرہ دیکھنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ بھلا کیا قصور کیا تھا کہ یوں بے وفا ہو جائے۔ مسائل کا عفریت منہ کھولے اس کے تعاقب میں چپ کھڑا ہوا تھا۔ کون ہے جو اس کا ساتھ دے گا؟

سوچتے سوچتے جانے کتنے ہی دنوں کی گہرائیوں میں یوں کھو گئی جیسے صحرا کی گرم ریت اس کے وجود میں اترنے لگی ہو۔

ماں باپ کب تک سنبھالیں گے، ساس سسر کب تک؟ اخراجات کا طویل بوجھ تو عاصم کے کندھوں پر تھا۔ اس کے دیور یوسف کی نوکری ابھی لگی تھی۔ چھوٹا دیور راحیل نوکری کی تلاش میں تھا۔ سب سے بڑے جیٹھ بھائی جنہوں نے خودغرضی کی انتہا کردی تھی اور شادی کے دوسرے سال ہی بیگم کو الگ کر دیا۔ اس کے بعد ملنا ملانا تو رہا ایک طرف خبر گیری بھی نہیں کی جو چھوٹے بھائیوں کا خاصہ ہوتی ہے۔

اور اس کے ماں باپ...... گہرا سانس لیا۔ اس نے یاسیت کے بوجھل احساس سے ہمکنار ہو کر دریچے سے باہر نگاہ کی۔ شام کا کاجل پھیل کر رات کی سیاہی میں بدل چکا تھا۔ ہر سو ایک گہرا سناٹا تھا۔ ایک طویل خاموشی تھی۔ اب تو یوں لگتا تھا گویا یہ در و دیوار بھی اس کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوں۔

اس کے دونوں بچے باسم اور اشنا اپنے چاچو راحیل کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ اس کی ساس اور سسر دونوں آپا فاطمہ کے گھر گئے ہوئے تھے۔ اس کی نند نمین بھی ساتھ ہی گئی تھی۔ یوسف ابھی تک لوٹا نہیں تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ اس نے نہ ٹیرس کی لائٹ آن کی ہے اور نہ گیٹ کی ٹیوب لائٹ۔

تھکے وجود کو سمیٹتی باہر آ گئی۔ ٹیرس کی ٹیوب

جل رہی تھی۔ اس نے گیٹ کی لائٹس آن کر دیں۔ دھیرے سے وہ ٹیرس کے نیچے ہی لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ ہوا میں سوگواریت اور رنجیدگی شامل تھی۔ آنسوؤں میں بھیگی، سمندر کی نم ہوا کا تصور تو اب ہر پل ساتھ سمیت رہتا تھا۔ اطراف میں نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے رنجیدگی سے سوچا۔ زندگی سے جوش و خروش، ولولہ امید روشنی اور انتظار نکال دیا جائے تو پیچھے کیا رہ جاتا ہے۔

''عاصم!'' ایک آہ ہونٹوں سے نکلی۔ ''تم تو اپنے ساتھ سب کچھ لے گئے۔ میرے پاس اب کیا ہے۔ یہ تو سوچتے کہ میری زندگی اب کیسے گزرے گی؟ میری زندگی سے تمہیں نکال دیا جائے تو میرے پاس کیا رہا؟

صرف خسارہ...... ابدی خسارہ۔

ہیجان، رجحان، شعلہ اور شبنم تو بس تمہارے دم سے تھا اور اب......

اسے معلوم نہیں ہوا کب آنکھوں سے جھڑی لگ گئی۔ تب اس نے اپنے پیارے شوہر عزیز رفیق سفر کی جدائی کا سوگ منانا شروع کر دیا تھا۔ سوگ جواب روگ کی صورت اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

''موت برحق ہے۔ جو آیا ہے اسے واپس بھی جانا ہے۔ اگر ہمارے آنسوؤں میں طاقت ہوتی تو جانے والے جاتے ہی کیوں۔ ہماری آہیں اگر کسی کا راستہ روک سکتی ہیں تو میں پچھاڑیں کھانے کو تیار ہوں۔

مگر!

یوسف کی آواز بے حد قریب سے ابھری تھی۔ اس نے سر اٹھایا۔ ''کب آئے؟''

''اپنے اردگرد کی خبر رکھا کریں بھابی۔'' اس کی آنکھوں میں بھی دکھ بول رہے تھے۔ ''مرنے والے کو خبر نہیں کہ اس کی یاد میں کوئی کتنے آنسو بہا سکتا ہے۔''

اس نے آنچل سے اپنے آنسو سمیٹ لئے۔

یوسف اپنے مضبوط ہاتھ سے اس کا سر تھپتھپا کر تسلی و تشفی کے انداز میں بقیہ نم لفظوں کو اندر سمیٹتا اندر چلا

Digest Library.com

گیا۔
مانوس سے کلون کی خوشبو اس کے اطراف میں رہ گئی۔ اس نے گہرا سانس لے کر سر جھکایا۔ مخصوص کلون اس کے وجود میں اترتا چلا گیا۔

یوسف کے اندر چلے جانے کے بعد بھی وہ وہیں دیر تک بیٹھی رہی اور خود سے باتیں کرتی رہی۔

"میں کس کس بات کو بھولوں گی' عاصم مجھ سے تمہاری جدائی کی اذیت نہیں سہی جاتی۔ اس نے بیچارگی سے آسمان کی جانب نگاہ کی۔

"چھین لو مجھ سے بیوگی کی سفید چادر۔"

دو آنسو رخساروں پر پھسل گئے۔

تبھی گیٹ سے آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید وہ لوٹ آگئے تھے۔ وہ ملول واداس اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

❀❀❀

"پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" آج پھر اس کی ماں راحت بیگم آئی تھیں۔ پچھلی بار آئی تھیں تو سوچنے کے لئے اسے بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔ مگر کتنی عجیب بات تھی۔ گھر کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر وہ بھول ہی گئی تھی کہ اس کی ماں اسے کیا سمجھا کر گئی تھی۔

یا پھر یہ کہ زخم تازہ اور دکھ گہرا تھا اسلئے وہ اس نہج پر سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اور آج پھر اس کی ماں اس کے روبرو تھیں۔

اس نے ایک نگاہ ان پر ڈال کر سر جھکا لیا۔

"ابھی تم جوان ہو' بچے چھوٹے اور معصوم ہیں۔ اخراجات کم ہیں' تو کل تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے ضروریات زندگی میں اضافہ ہوگا۔ تمہارے سسر کی پنشن میں کہاں تک گزارہ ہوگا۔ تمہارے دیور کی کوئی مستقل نوکری نہیں ہے کہاں سے اخراجات پورے کرو گی؟ اس لئے ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"امی!" وہ ساکت رہ گئی۔ "یہ کیسے سوچ لیا آپ نے؟"

"بچے یہاں سسرال میں چھوڑ سکتی ہو' چاہو تو بچے میکے میں میرے پاس بھی رہ سکتے ہیں۔ ابھی تمہاری جوانی ہے' تمہیں اپنے بارے میں سوچنا ہے۔ وقت کبھی ٹھہرتا نہیں ہے۔ تمہارے ابو کی بھی یہی مرضی ہے۔"

"امی! میری زندگی تو عاصم کے ساتھ ہی ختم ہوگئی تھی۔ اب مجھے صرف بچوں کے لئے سوچنا ہے۔ باپ کو تقدیر نے چھین لیا۔ اس میں بچوں کا کیا قصور۔ اب کیا میں ان معصوموں سے ماں کی ممتا بھی چھین لوں۔" اس کی آواز بھیگنے لگی۔ "کیا ماں اتنی خود غرض ہوسکتی ہے۔ امی؟"

"لیکن بیٹا یہ پہاڑ سی زندگی یوں بھی تو بسر نہیں ہوسکتی۔" ان کے لہجے میں تفکر تھا۔

"خدا نے اگر مجھے کسی آزمائش میں مبتلا کیا ہے تو مجھے ہر حال میں صبر وشکر کے ساتھ اس مرحلے کو طے کرنا ہے امی۔ ہر تکلیف' ہر پریشانی کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے۔ مجھے عاصم سے اتنا کچھ مل چکا ہے کہ اب کسی اور ساتھ' کسی اور چاہ کی طلب نہیں رہی۔ رہی بات اخراجات کی تو مجھے اس کی بھی پروا نہیں ہے۔ میری تعلیم کس کام آئے گی۔ کسی بھی اسکول میں جاب کرسکتی ہوں۔ اتنا تو ہوگا کہ میرے بچوں کا خرچ نکل آئے گا۔ میں کفیل ہوجاؤں گی۔"

جانے کیسے سکون اس کے اندر بھر گیا تھا۔ راحت بیگم اس کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔

آبلین ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھی۔ کتنی شوخ وچنچل اور ہنس مکھ ہوتی تھی۔ ہنسی خوشی بن کر اس کے چہرے پر رقص کرتی تھی۔ عاصم سے شادی نے اس کی خوشی میں اضافہ کردیا تھا ہنسی میں کھنک شامل ہوگئی تھی۔ آنکھوں میں چاہتوں کا خمار مان بن کر مسکراتا تھا۔

اور...... اب؟

انہوں نے تھکا ہوا افسردہ ملول واداس سانس لیا۔

چھ سات ماہ کے اس عرصے میں گویا اس کے چہرے سے ہنسی ختم ہوگئی تھی۔ آنکھوں کی چمک اماوس کی سیاہ رات میں بدل گئی تھی۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" وہ ماں کی نگاہ سے نگاہ چرا کر باہر نکل گئی۔

راحت بیگم ایک جہاں دیدہ خاتون تھیں۔ دنیا کے اسرار و رموز سے اچھی طرح سے واقف تھیں۔ جوان بیوگی، پہاڑ سی زندگی، دو معصوم بچے، زندگی اس طرح نہیں کٹ سکتی۔ اوپر سے دنیا والوں کی نگاہ جمی رہتی ہے۔ ایک تنہا اکیلی عورت کا معاشرے میں کھڑا رہنا دشوار ہوتا ہے۔ بے شک رشتے، ناتوں کا ساتھ اپنی جگہ مسلم ہے۔ مگر جو تحفظ شوہر دے سکتا ہے وہ کوئی اور نہیں۔

اور آبگین کا غم تازہ تھا۔

وہ ابھی اس بات کو نہیں سمجھ سکتی تھی۔ بچوں سے محبت اپنی جگہ مگر اپنی عزت و حرمت کا تقدس اپنی جگہ۔ مشیت ایزدی اپنی جگہ مسلم ہے۔

"وہ بچوں کو لاؤنج میں بٹھا کر ہوم ورک کروا رہی تھی کہ اس کی نند شارقہ اپنے دونوں بچوں اور جیٹھ کے ساتھ اندر آ گئی۔

"السلام وعلیکم بھابی!"

"وعلیکم السلام، کیسی ہو تم۔ کتنے دنوں بعد آئی ہو۔"

شارقہ کے جیٹھ عابد نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ بچے ہوم ورک بھول کر کرن اور عامر سے کھیلنے لگے۔

"عابد بھائی بیٹھیں۔ میں امی سے مل کر آتی ہوں۔" شارقہ نے اپنے جیٹھ سے کہا۔

آبگین سے علیک سلیک کے بعد عابد کو لاؤنج میں ہی بٹھا کر شارقہ بے فکری سے باہر نکل گئی۔ آبگین بچوں کی کتابیں بیگ میں رکھنے لگی۔ بچے اچھلتے کودتے لان میں نکل گئے۔ سرسری سی عابد بھائی کی جانب اٹھی ہوئی نگاہ نے اسے چونکا دیا۔ وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بغور اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"بہت مصروف ہیں۔" توجہ پا کر کھل کر مسکرایا۔

اس کی سنجیدگی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ لب بھینچ کر ربر، پنسل، اسکیل سنبھالنے لگی۔

"لگتا ہے آپ بہت مصروف رہتی ہیں اگر آپ کہیں تو میں بچوں کو آ کر پڑھا دیا کروں؟" اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ آبگین ہڑبڑا کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"دراصل میں اسلئے کہہ رہا تھا کہ......" وہ ذومعنی انداز و نگاہ میں دیکھتے ہوئے ایک انگلی سے سر کھجانے لگا۔

"میں آپ کے لئے چائے بھجواتی ہوں۔" بیگ اٹھا کر سرعت سے باہر نکل گئی۔

"اف" کاریڈور میں ٹھہر کر اپنے حواس سنبھالے اور قدم آگے بڑھا دیئے۔ اسے یہ آدمی کبھی بھی اچھا نہیں لگا۔ عاصم کی موجودگی میں بھی نہیں۔ اس کے دیکھنے کے انداز میں ہی بدفطرتی تھی۔ ذومعنی نگاہ باطن کو چیر کر رکھ دیتی تھی۔ شارقہ جانے کیسے اس جیسے شخص کی موجودگی میں گھر میں رہتی ہوگی۔ اس کے لئے تو ایک لمحہ کے لئے بھی ناقابل برداشت تھا۔ اوپر سے غیر شادی شدہ تھا۔

"ارے آپ تو ادھر ہی آ کر بیٹھ گئیں۔ حالانکہ ہم خالصتاً آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔" چائے اندر بجھوا کر وہ رات کے لئے سوچ رہی تھی کہ کیا پکایا جائے۔ چونکہ شارقہ بھی آئی ہوئی تھی اس لئے اہتمام ضروری تھا۔

"آں ہاں۔ میں دراصل کھانا بنا رہی تھی۔" وہ جلدی سے چاول نکالنے لگی۔ ایک عجیب سے خوف نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ نگاہوں کی چبھن وجود میں اتر رہی تھی۔

"ویسے آپ کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔"

Digest Library.com

بڑے تحمل اور اطمینان سے اس کے پاس سے تقریباً ٹھہر کر گزرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھالیا۔ اور پھر پلٹ کر فریج سے پانی نکالنے لگا۔ اس کی موجودگی ہی جی کو جلا رہی تھی کہ تعریف مزید سلگ گئی۔ وہ بڑے اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر پانی پیتے ہوئے اس کو نگاہوں کے حصار میں لئے کھڑا تھا۔ آبگین کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

"میں ذرا امی کو چاول صاف کرنے کے لئے دے آؤں۔" ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"پھر آپ آرہی ہیں نا ادھر ہی۔" لہجے سے بے قراری عیاں ہوئی۔ اس کا دل چاہا پلٹ کر کوئی سخت بات کہہ دے۔ مگر تیزی سے قدم آگے بڑھا لئے۔

وہ زندگی کے اس آزمائشی مقام پر کھڑی تھی جہاں ذرا سی لغزش اس کے لئے تباہی کا باعث تھی۔

عابد بچوں سے بہت قریب ہوگیا تھا۔ سب بچوں کو آئس کریم دلانے کے بہانے باہر لے گیا۔ واپسی میں آئس کریم پیک ہاتھ میں بھی تھے۔ اور بچوں کی زبان عابد انکل، انکل کہتے نہیں تھک رہی تھی۔ اور اس کی جانب اٹھتی دھیمی سی ذومعنی مسکان اس کے حواس مختل کر رہی تھی۔

شارقہ کا عابد کے ساتھ آنا اس کی بھی مجبوری تھی۔ اس کا شوہر باہر تھا' سال دو سال بعد آتا تھا۔ کہیں آنے جانے کے لئے عابد ہی سے کہتی تھی۔

اس کی مجبوری ہے میری تو نہیں۔

رات کو بچوں کو سلاتے ہوئے بمشکل اپنے فشار خون کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

"اور آبگین ...... تم ...... تم کب سے ٹین ایجر میں خود کو شامل کر رہی ہو۔ تم تو ماشاءاللہ دو بڑھتے ہوئے ذہین اور فطین بچوں کی ماں ہو۔ عاصم کی محترم بیوی ہو۔ تمہیں عابد جیسے شخص سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ امی ...... ابو ...... یوسف ...... راحیل سب ہی تو قریب ہوتے ہیں۔ پھر ڈر کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کے اندر کی عورت اسے سمجھا رہی تھی۔ اس نے خود کو سنبھال بھی لیا تھا۔ مگر ایک خوف تھا جو آکٹوپس کی طرح اس کے وجود میں اتر کر پھیلنے لگا تھا۔

اس روز عاصم کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

شام لان میں اترنے لگی تھی۔ چونکہ آج چھٹی کا دن تھا اس لئے یوسف' راحیل' نگین اور دونوں بچے لان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ قدرے فاصلے پر اس کی ساس مومنہ خاتون اور سسر باقر علی بیٹھے تھے۔ بچوں کے شور وغل نے ماحول میں کھنک پیدا کر دی تھی۔

آبگین چائے ادھر ہی لے آئی تھی۔

آبگین سب کو چائے وغیرہ دینے لگی۔ کرسیاں چونکہ کم تھیں۔ اسلئے یوسف' راحیل' بچے گھاس پر بیٹھ گئے۔ سموسے' نمکو' چپس کے لئے راحیل بار بار نگین کو آوازیں دینے لگا۔ نگین چڑ کر اپنی پلیٹ بنا کر گھاس پر بیٹھ گئی۔ راحیل ہنس دیا۔

"یہاں ایک بھائی کا کام نہیں ہوتا۔ وہاں سسرال میں دس دیوروں کو کیسے سنبھالو گی۔" وہ چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

"امی!" اس نے ٹھنک کر ماں کو پکارا۔

"بری بات بیٹا۔ بہنوں کو نہیں چھیڑتے۔" باقر علی نے سرزنش کی۔

یوسف اٹھ کر آبگین کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ایک کپ چائے اور۔" اپنا کپ اس کی جانب بڑھا دیا۔ آبگین کے ہاتھ میں اگرچہ بہت ذائقہ تھا مگر وہ چائے بہت اچھی بناتی تھی۔ اور جب چائے تھام کر اسے پکڑا رہی تھی تو گیٹ کھلا اور شکیل بھائی کی گاڑی اندر آگئی۔ برابر میں زری بھابی بیٹھی تھیں۔

اس نے بڑی باریکی سے اس منظر کا جائزہ لیا تھا۔ یوسف کی مسکراہٹ بھی نظر آئی جو راحیل کی بات پر مسکرا رہا تھا۔ ابا جی اخبار میں گم تھے اور امی اشتیاق سے

Digest Library.com

میں بٹھا کر اسے پیار کر رہی تھیں۔

زری شکیل' رائی کا پہاڑ بنا دینے والی چالاک عورت تھی۔ جس کے نزدیک انسانی حرمت سے زیادہ منفی خیالات کی اہمیت تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو سسرال اور سسرالی رشتوں سے انجانی سی جیلسی رکھتی ہیں۔ ان کے چاروں بچے گاڑی سے نکل کر دادی دادا اور چچا پھوپی کے پیار کی برسات میں بھیگنے لگے۔ یوسف نے بھائی کے احترام میں کرسی چھوڑ دی اور آبگین نے مہمانوں کی تواضع کے خیال سے برتن ٹرالی میں رکھے اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

رسمی سی علیک سلیک اور بچوں کو پیار کرنے کے بعد یوسف بھی کپڑے چینج کرنے کے ارادے سے اندر بڑھ گیا۔ زری جیسی شکی عورت نے بغور دونوں کو آگے پیچھے اندر جاتے' محسوس کرنے اور کرانے والے انداز میں دیکھا۔ اور تیکھے ابرو سے سب کو دیکھتے ہوئے بامعنی انداز میں مسکرانے لگیں۔

ایک جوالا سا تھا جوان کے اندر کہانی بناتے ہوئے ابلنے لگا۔ اور گھر والوں کے علم میں بھی نہیں تھا۔ بظاہر مسکراتی ہوئی بہو اور بڑی بھاوج کے ذہن میں کیا گند سما رہا ہے۔

''امی! یوسف کی شادی وغیرہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے کیا؟''

''ہے کیوں نہیں ہے اللہ اس کی خوشیاں دکھائے بس ذرا وہ اپنی نوکری سے سیٹ ہو جائے۔'' بیٹے کی محبت میں مسکرا کر مومنہ خاتون نے بڑی بہو کو دیکھا۔

''لیکن اصل مسئلہ یہ ہے بھابی کہ انہیں کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی۔'' نگین نے سامنے آ کر کہا۔

''اتنی لڑکیاں دکھائی ہیں انہیں' مگر ہاں نہیں کرتے۔''

''ا...... چھا!'' ذومعنی انداز میں آنکھیں جھپکائیں۔ ''اس کی کوئی پسند ہوگی۔'' تجاہل عارفانہ انداز میں دیکھا۔

''اپنی پسند نہیں بتاتے۔ بس یہی کہتے ہیں کہ ابھی نہیں کرنی۔'' راحیل نے بھی درمیان میں رائے دی۔

''اس کی عمر کے لڑکوں کی کب کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ وہ کب کرے گا میں تو کہتی ہوں امی بس جلدی سے کر دیں۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں۔'' شک کا بیج بوتے ہوئے رک کر انہیں دیکھا۔

وہ بھی ان کی ہم خیال نظر آ رہی تھیں۔

''میری نگاہ میں ہیں دو چار لڑکیاں اگر کہیں تو بات کروں۔''

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں بڑی بہو ہو آخر۔ بڑی بہنیں اپنے اپنے گھروں کے جھمیلے میں پھنسی ہوئی ہیں تم ہی کچھ کرو۔ آبگین تو ویسے بھی کم زبان اور سیدھی سی ہے اس کی اپنی زندگی ہے گھر سے باہر نکلتی ہی نہیں۔''

''سیدھی!'' زیر لب کہا۔

اسی وقت یوسف آ گیا۔ نہا کر آیا تھا۔ سفید کرتا شلوار' نکھرا نکھرا سا۔

''کس موضوع پر باتیں ہو رہی ہیں؟''

''بہت ہی خاص موضوع پر بھائی۔'' نگین چہکی۔

''مثلاً!'' مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''اسی وقت آبگین دوبارہ سے ٹرالی سجا کر آ گئی۔

چونکہ دونوں ایک بار پھر آگے پیچھے آئے تھے۔ زری بھابی بغور سر سے لے کر پاؤں تک اس کا جائزہ لینے لگیں۔ مگر وہ سر جھکا کر چائے سرو کرنے لگی۔

''تمہاری شادی کی بات کر رہے تھے۔'' آبگین اور یوسف پر ایک ساتھ نگاہ رکھ کر بامعنی انداز میں بات کی۔ اس وقت لان میں کھیلتے بچے بھاگتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے۔ انشا پیچھے سے آ کر ماں سے لپٹ گئی۔ ''ماما بچائیں!''

چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ ایک اور اشارہ...... زری بھابی کے شک کی تقویت کے لئے۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ!" اس نے اشنا کو جھڑک دیا۔

"ارے کوئی بات نہیں بچے ہیں' مت ایسے جھڑکا کریں۔" یوسف نے آگے بڑھ کر اشنا کو گود میں اٹھالیا۔

ایک حسد' جلن' رقابت زری کے وجود میں اتر گئی۔

ان دیوروں نے ان کے بچوں کو تو کبھی ایسے پیار نہیں کیا۔ زری کی طبیعت حاسدانہ تھی۔ کم فہم عورت تقابل کرتے ہوئے یہ نہیں جانتی تھی کہ آبگین کے بچوں اور زری کے بچوں میں بڑا واضح فرق ہے۔ باسم اور اشنا باپ کی شفقت محبت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کی زندگی میں ایسا خلا در آیا ہے جس کو پاٹا نہیں جا سکتا اور ان بچوں کے سامنے ایک لمبی زندگی ہے۔ چچا اور دادا مل کر اس محبت کی کمی کو پورا نہیں کر سکتے تھے اور نہ عاصم کی جگہ لی جا سکتی تھی۔ مگر محرومی کو ایک حد تک کم تو کیا جا سکتا تھا۔ جبکہ زری کے بچے باپ کے زیر سایہ تھے۔ پھر ان کے اور ان کے درمیان کھنچاؤ فطری سی بات تھی۔ اوائل سے ہی زری اس گھر میں سیٹ نہیں ہو سکی۔ نندیں' دیور سب اسے کھٹکتے تھے۔ محبت' محبت سے ہی مشروط ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے سسرالی رشتوں سے محبت کی ہی نہیں' بس ضرورتاً ملتی تھیں۔ اسی لئے ساس' سسر نے باہمی رضامندی سے انہیں علیحدہ کر دیا تھا۔ وہ بہو کے پیچھے بیٹے اور پوتے پوتیوں سے رشتہ ختم نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی زری کی مثال دور کے ڈھول سہانے جیسی تھی۔ قریب رہ کر ڈھول پھٹتا ہی ہے۔

جب تک وہ موجود رہیں' نہایت باریک بینی سے جائزہ لیتی رہیں۔

یوسف کہیں نہیں گیا' باسم اور اشنا کے ساتھ کھیلتا رہا۔ ڈائننگ ٹیبل پر اس کی کرسی آبگین کے ساتھ والی تھی۔

...ت دینے کے لئے یہ سب کافی تھا۔ مگر وقت رخصت جب یوسف نے انہیں آئسکریم کھلانے کی آفر کی' آبگین کچن میں مصروف تھی۔ یوسف اسے زبردستی لے آیا۔ "تفریح پر آپ کا بھی حق ہے۔" اس منظر نے ان کے شک کو جلا بخش دی تھی۔ حسد اور رقابت کے جھکڑ بہت تیزی سے چلنے لگے تھے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

اس روز چھٹی تھی۔ صبح ہی امی سے اجازت لے کر وہ میکہ آگئی تھی۔ چھٹی کے دن ایک تو ہلا گلا ہوتا ہے اور پھر ہر کسی سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ ورنہ تو سب آفس یا یونیورسٹی میں مصروف رہتے ہیں پورا ہفتہ۔ اب تو وہ خاصی دیر بعد بہن بھائیوں سے ملی تھی۔ بھائی اور بھابیوں دونوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ امی' ابو نے پیار کیا۔ ابو نے کچن میں جا کر خصوصی مینو کا آرڈر دیا۔

جب سے وہ بیوہ ہوئی تھی ان سب کی محبتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اس کی جوانی' خوبصورتی' ملاحت اور معصوم بچے۔ ان کے دکھ میں اضافہ کر دیتے تھے۔

جانے کیا مشیت ایزدی تھی۔

کیسے کیسے دکھ دے کر خدا اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ ان کی سچائی کو پرکھتا ہے۔ ان کی ثابت قدمی کو آزمائش بنالیتا ہے۔

"آبگین! میں نے تمہیں کچھ سوچنے کے لئے کہا تھا اس بارے میں غور کیا؟" دوپہر کو کھانے کے بعد انہوں نے خصوصی طور پر اسے اپنے کمرے میں بلا کر پوچھا۔

"امی!" ثانیے بھر کی خاموشی کے بعد سر اٹھایا۔

"میں آپ کو اس کا جواب پہلے بھی دے چکی ہوں۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ میں عاصم کی جگہ کسی اور کو دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس جیسا تو اس روئے زمین پر نہیں ہے۔" اس کا لہجہ بھیگنے لگا۔

"اس سے ہمیں بھی انکار نہیں ہے بیٹا' مگر......"

"امی' دنیا کا کوئی باپ حقیقی باپ کی جگہ نہیں لے ...ی کی ساری محبتیں بھی مل جائیں مگر اصل باپ

کی محبت کا نعم البدل نہیں ہوسکتیں۔ میں وہاں مطمئن اور خوش ہوں۔ بس میرے لئے سب ٹھیک ہے۔ باقی زندگی میں نے بس بچوں کے لئے جینا ہے۔'' اس کا لہجہ حتمی تھا۔

''تم ابھی دنیا کے گورکھ دھندوں سے ناواقف ہو چاند۔ اور ہم زندگی گزار چکے ہیں۔ ہم تمہارے لئے غلط نہیں سوچیں گے۔''

''امی میں اتنی سمجھدار تو ہوں کہ اپنی حفاظت کرسکوں۔''

''بیٹا اس دنیا میں، اکیلی عورت تنہا نہیں جی سکتی۔ ہم نے تمہارے نکاح کا فیصلہ کرلیا ہے۔ بینک آفیسر ہے اس کا ایک بیٹا ہے۔ بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔ عقد ثانی کا خواہش مند ہے۔ نیک شریف، باحیا۔''

آبگینہ کے لفظ گنگ ہوگئے۔ ہکا بکا یوں بیٹھی ماں کو دیکھ رہی تھی گویا جیسے لق ودق صحرا میں پاپیادہ ہو۔ صحرا کی اڑتی گرد نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کے گرد ریت کے بگولے سے اڑتے ہوئے بھنور بنانے لگے۔

''بچے ہمارے پاس رہیں گے اگر تم چاہو تو دادی کے پاس بھی رہ سکتے ہیں۔ ان کا بھی خون ہے۔''

وہ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگا رہی تھیں۔ کب تک ان کی معصوم بیٹی سسرال والوں کی غلامی کرے گی۔ پھر اسلام نے بھی تو فوراً بیوہ کا عقد کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ گناہ، الزام اور بہتان سے بچ سکے۔ اس دنیا میں زہر اگلنے والے زیادہ ہیں۔

''اگلی اتوار کو ہم نے لڑکے کو بلوایا ہے تاکہ تمہاری ملاقات کروادی جائے سب کو یہ رشتہ پسند ہے بس تمہیں دکھانا ہے۔''

''کیا؟'' وہ ہوش میں آنے لگی۔

''سب کو یہ رشتہ پسند ہے گویا اب صرف مہر لگانی ہے چاہے وہ زبردستی ہی کیوں نہ سہی۔

''نہیں، وہ ایسا بالکل نہیں کرے گی۔ بچوں سے جدائی سوہان روح ہے۔ وہ ماں کی شفقت کا آسمان ان کے سر سے نہیں کھینچے گی۔ انہیں کسی بھی قسم کی احساس کمتری کا شکار نہیں ہونے دے گی۔ اس کے دل و دماغ میں واویلا مچ گیا۔ اٹھ کر ابو کے کمرے میں بھاگی۔ راحت بیگم آوازیں ہی دیتی رہ گئیں۔

''آؤ بیٹا'' فراست رضوی نے محبت سے پکارا۔

''ابو میں دراصل اس لئے آئی تھی کہ آپ مجھے ڈاکومینٹس دے دیجئے۔ مجھے جاب کے لئے اپلائی کرنا ہے۔'' بمشکل خود کو سنبھالا۔

''آبگینہ! تمہاری ماں نے تم سے کوئی بات نہیں کی؟'' بغور اس کا جائزہ لیا۔

بے چارگی سے انہیں دیکھا۔ وہی مثل صادق تھی۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ کتنے لمحے بے آواز گزر گئے۔

''بولو بیٹا!''

''انہوں نے مجھ سے بات کی ہے ابو مگر مجھے ہر طرح سے انکار ہے۔ جیسے آپ کی محبت میرے لئے ہے مجھے دکھی نہیں دیکھ سکتے حالانکہ میں اتنی بڑی اور شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں ہوں۔ اپنے لئے اچھا برا فیصلہ کرسکتی ہوں، مگر آپ لوگ پھر بھی میرے دکھ میں مبتلا ہیں۔'' بھیگیں آنکھیں رخسار پر جھک گئیں۔ روز روز کٹنے سے بہتر تھا کہ وہ ایک ہی بار پل صراط سے گزر جائے۔ اذیت کا گھاؤ بہت برا ہوتا ہے۔

دھیرے سے قدم بڑھا کر باپ کے سامنے آئی اور دوزانو ہوکر ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ مگر آج بند باندھنا مشکل تھا۔

''ابو! میرے بچے میرے جتنے قد کے نہیں ہیں، بہت ناسمجھ اور معصوم ہیں۔ انہیں تو اپنے ہاتھ سے کھانا بھی نہیں آتا۔ باسم تو جوتے کے تسمے بھی بند نہیں کرسکتا۔ اثنا کو اندھیروں سے ڈر لگتا ہے ابو...... میں

کیسے خودغرض بن جاؤں۔'' اس نے سسکی لی۔
''میرے لئے خدا نے آزمائش لکھ دی ہے میں اس کی رضا میں خوش ہوں۔ میرے لئے خدا کے واسطے اور آزمائش مت کھڑی کریں۔'' دھیرے سے اپنے لرزتے ہاتھوں کو جوڑ دیا۔ لب بھینچ کر سسکیاں روکیں۔ وجود سمندر ہو رہا تھا۔
''ماں کے علاوہ بچوں کی حفاظت کوئی نہیں کرسکتا۔ پھر میں کیسے...... ابو...... کیسے......'' وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر سسک سسک کر رو دی۔
انہوں نے برداشت کی حد سے گزرتے ہوئے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
آبگین کے لرزتے کانپتے وجود کو دلاسا' تسلی و تشفی دی۔
اس نے بہت دیر بعد سر اٹھایا۔
''میں اس زندگی کو اب اسی نہج پر گزارنا چاہتی ہوں ابو میرے لئے عاصم سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اور عاصم کے بعد کوئی نہیں ہے۔'' بھیگے رخسار' بھیگے لہجے میں شاید اس نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔
''بیٹا!'' دھیرے سے اس کا سر تھپتھپایا۔ ''ایک رسمی سا جملہ ہے والدین اولاد کے لئے کبھی برا نہیں سوچتے بیٹا۔'' انہوں نے ایک گہرا تھکا ہوا سانس لیا۔
''تمہاری عمر بھی کم ہے' تجربہ بھی اور اس عظیم سانحے کی موت بھی' تمہاری جذباتیت فطری امر ہے بیٹا' لیکن زندگی نہ تو اولاد کے سہارے گزر سکتی ہے اور نہ تنہا۔ ایک ساتھی ایک ہم سفر ضروری ہوتا ہے' ہم زمانے کی آنکھ کے تنکے کو نہیں نکال سکتے۔ اور تنکے کو شہتیر بنتے دیر نہیں لگتی۔'' ان کی نگاہ غیر مرئی نقطے پر مرتکز تھی اور لہجے میں مشاہدہ بھی تھا اور تجربہ بھی۔
دھیرے سے نگاہ جھکا کر اپنی غمزدہ' افسردہ' ملول و رنجیدہ پیاری عزیز از جان بیٹی پر نگاہ کی۔
کتنے شوق سے اس کا نام آبگین رکھا تھا۔ پیار میں آبگین کہتے تھے۔ کیا خبر تھی نام کا اثر اسے سمندر بنا ڈالے گا۔
''کچھ ماہ و سال کے بعد تمہیں خود ہی اندازہ ہوجائے گا کہ حقیقتاً والدین برا نہیں سوچتے۔ وقت کو تھوڑا اور گزر جانے دو۔''
تسلی کے انداز میں سر تھپتھپا کر ہاتھ پیچھے کرلیا۔
''تم جاب کیوں کرنا چاہتی ہو' جبکہ باقر صاحب کا اسٹور' پینشن' مکان کا کرایہ' یوسف و راحیل کی تنخواہ۔'' ان کے لہجے میں اچنبھا سا تھا۔
''ابو میں مصروف رہنا چاہتی ہوں۔'' آنچل سے چہرہ خشک کرکے انہیں دیکھا۔ ''آج بچے چھوٹے ہیں کل بڑے ہوں گے' ان کے تعلیمی اخراجات میں کب تک ان پر ڈیپینڈ کرسکتی ہوں۔ پھر یوسف اور راحیل کی شادیاں بھی ہوں گی۔'' اس کے لہجے میں پراعتماد تفکر تھا۔
''شاید میں نے تعلیم اسی لئے حاصل کی تھی کہ آج میرے کام آجائے۔''
''ہوں!'' دھیرے سے چیئر کو آگے پیچھے کرتے ہوئے کچھ سوچنے لگے۔ اس اثنا میں آبگین نے خود کو نارمل کیا۔ اس کے دل سے بوجھ اور تفکر بھی ختم ہوگیا۔
''تم گھر جارہی ہو؟'' نگاہ گھما کر اسے دیکھا۔
''جی...... شام کو یوسف بھائی لینے آئیں گے۔''
''ٹھیک ہے تم جاؤ۔ تمہارے گھر کے پاس میرے دوست کا ایک پرائیوٹ اچھا چلتا ہوا اسکول ہے۔ وہاں بات کروں گا تمہارے لئے اسکول میں ہی جاب کروگی؟''
''جی! اب تو اسکول میں ہی کروں گی۔ ویسے ارادہ تھا کہ آرٹ اسکول میں کروں وہاں تنخواہ ذرا بہتر ہوگی مگر فائن آرٹ اکیڈمی خاصی دور ہے گھر سے اور ٹائمنگ بہت غلط ہیں۔ باسم اور اثنا متاثر ہوں گے۔'' اس کے لہجے میں محبت آمیز فکر تھی۔
''ہوں۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے کوئی بات بنی تو میں تمہیں کال کردوں گا۔ تم ظہور کے ساتھ

جا کر انٹرویو دے آنا۔"
"جی ابو۔" وہ پرامید نگاہ سے دیکھتی مسکرادی۔
"تھینک یو۔"
"کوئی بات نہیں' والدین کا کام شادی کے بعد اولاد کو بھول جانا نہیں ہوتا بلکہ ممکنہ حد تک ان کی پریشانیوں کو شیئر کرنا ہوتا ہے۔" دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"تھینک یو۔" ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر محبت سے انہیں دیکھا۔ وہ جانے کے لئے کھڑی ہوگئی۔

❁......❁......❁

"لیکن تم نوکری کیوں کرنا چاہتی ہو۔" قدرے حیرت سے باقر علی نے آبگین کو دیکھا۔
"ابو بچوں کے خرچے' اخراجات۔"
"کیا ہم لوگوں سے کوتاہی ہوتی ہے۔ کیا ہمارے بیٹے کی اولاد نہیں ہے وہ۔"
"نہیں ابا جی میرا یہ مطلب یا مقصد نہیں ہے۔ دراصل میں کچھ بھی کرلینا چاہتی ہوں۔ یوں فارغ بیٹھنے سے تو......"
"ہوں!" انہوں نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔
آبگین سر جھکائے بیٹھی رہی۔
جبکہ مومنہ خاتون خاموشی سے سسر اور بہو کی گفتگو سن رہی تھیں۔
"مگر کیوں!" یوسف اور راحیل کو پتہ چلا کہ آبگین جاب کرنے جارہی ہے تو دونوں اس کے سر ہوگئے۔
"آپ کی کوئی ضرورت پوری نہ ہو تو پھر حق ہے آپ کو کرنے کا بچے ہماری ذمے داری ہیں بھابی...... کیا آپ کا یقین صرف بھائی کی زندگی تک تھا۔" راحیل کے لہجے میں شکوہ تھا۔ اس کے دیور اس سے جتنی زیادہ محبت کرتے تھے اس سے زیادہ احترام کرتے تھے۔
بڑی بھاوج نے نہ احترام کا نہ محبت کا رشتہ رکھا تھا اپنے ناروا سلوک کی وجہ سے وہ ادھر رہی ہی نہیں۔
بھاوج کا مان تو انہیں آبگین نے دیا تھا۔ کیوں نہ احترام کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار رکھتے۔
"یہ بات نہیں ہے راحیل تمہارا حق تمہارا احترام اپنی جگہ' بچوں کے لئے ان کے دادا ہی کافی ہیں پھر کافی رقم عاصم کے آفس سے ملی ہے۔ مگر یوں ساری زندگی تو نہیں گزر سکتی۔ کچھ میرا بھی فرض بنتا ہے۔"
"مجھے بہت افسوس ہوگا کہ آپ جاب کریں گی۔" یوسف کے لہجے میں بھی گلہ تھا۔
"صرف تین منٹ کی واک پر اسکول ہے۔ صبح تم لوگ ڈراپ کر دینا۔ بارہ سے ساڑھے بارہ کے درمیان گھر میں موجود ہوں گی۔ بالکل گھر جیسی بات ہوگی۔" انہیں اطمینان دلایا۔
"مگر بھابی لوگ' محلے والے' رشتہ دار کیا کہیں گے؟"
"لوگ جب ہی بولتے ہیں جب ہم انہیں کہنے کا موقع دیں گے۔ تم لوگوں کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" انہیں یقین دلایا۔ اور یوسف تفکر آمیزی انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا جو کبھی اکیلی باہر نہیں نکلیں۔ جو دنیا کے اسرار و رموز سے ناواقف تھیں' جو اچھے اچھوں کو جینے نہیں دیتی۔
"پھر بچوں کا ساتھ ہو تو انسان بہت باہمت ہو جاتا ہے۔" اس کے چہرے پر ممتا کی مسکراہٹ تھی۔ یوسف سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ اور وہ اپنی ہتھیلیوں کو بھیگی سوچوں سے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کچھ دکھ ہمارے نصیب کا کرشمہ ہوتے ہیں جن سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں ہوتا بلکہ یہ تقدیر سے منسلک ہو کر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔
اور میں اکیلی ضرور ہوں تنہا نہیں۔ اس کی سوچ بہت مضبوط تھی۔
اگلے چند دن بعد ابو کا فون آگیا۔ اس کا تقرر اسکول میں ہوگیا ہے۔ اگلے دن سے وہ اسکول جانا

Digest Library

شروع کردے۔

صبح بچوں کے ساتھ ہی اسکول جانے کے لئے نکلی تو سب نے اسے محبت اور خلوص کے ساتھ دیکھا۔ حجاب سے جھانکتی سیاہ آنکھیں۔ سر سے پاؤں تک وجود چادر میں لپٹا ہوا۔ اسے اپنے حسن کا احساس خود بھی تھا۔ تحفظ کی چادر اسے اب خود اپنے ہاتھوں اوڑھنی تھی۔

''آئیں بھابی میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' یوسف ناشتہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

''واپسی پر ابو آپ لے آئیے گا۔'' چابیاں اٹھاتے ہوئے باقر علی سے کہا۔

''بالکل بھئی بچوں کو لینے کے لئے جاتا ہوں۔ تو تمہیں بھی لیتا آؤں گا۔'' دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ خدا حافظ کہہ کر بچوں کے ساتھ باہر نکل گئی۔

آبگین کی نیت صاف تھی۔ یوسف کا خلوص نمایاں تھا۔ پھر جہاں ایمان کی دیواریں مضبوط ہوں وہاں شیطان کنڈلی مار کر کس طرح سے براجمان ہو سکتا ہے۔ یوسف نے بائیک اسٹارٹ کی احتیاط سے آبگین بیٹھ گئی۔ بائیک آگے بڑھ گئی۔

اور شیطان......شیطان......گیٹ کے پہلو میں کھڑا دانت نکوسنے لگا۔ دنیاوی رشتوں کے بعد عورت اور مرد کے درمیان تیسری ہستی شیطان کی ہے اور شیطان شیطانیت سے باز نہیں آ سکتا۔ وہ چھلانگ مار کر وہاں سے بھاگا اور سیدھا زری عرف زرینہ کے کندھوں پر براجمان ہو گیا۔

''کیا؟'' اس نے بڑی حیرت سے فون کی جانب دیکھا۔ گویا نگین ہی کا فون ہو۔ ابھی ابھی اسے فون کیا تھا۔ کافی دنوں سے وہ اپنے میکے کی دو تین شادیوں میں مصروف تھیں۔ سسرال میں رابطہ نہیں رکھ سکی تھی۔ اب پہلی فرصت میں انہوں نے نگین کو فون کیا۔ ادھر ادھر کی کافی دیر باتیں کیں جب آبگین کا پوچھا تو نگین نے کہا۔'' وہ تو اسکول گئی ہیں۔ جا... ہے

انہوں نے۔''

زری کے سر پر حیرت کا آسمان اتر آیا۔

''اچھا! اور تم اب بتا رہی ہو۔''

''آپ نے پوچھا ہی نہیں تھا۔''

''اکیلی جاتی ہے؟'' شیطان نے ٹہوکا دیا۔

''نہیں یوسف بھائی چھوڑ دیتے ہیں۔ ابا جی لے آتے ہیں۔''

''اوہو اچھا۔'' لہجہ بڑا ہی ذو معنی تھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں!'' نفی میں سر ہلایا۔ ''میں آؤں گی۔ ایک دو دن تک!''

''چلیں ٹھیک ہے بچوں کو پیار کریئے گا۔ خدا حافظ۔''

انہوں نے فون کریڈل پر رکھ دیا۔ چمکتی ہوئی نگاہیں غیر مرئی نقطے پر مرتکز ہو گئیں۔ ذہن میں تیزی سے پلاننگ ہو رہی تھی۔ آبگین کے لئے حسد اور کدورت بڑھتی جا رہی تھی۔ انہیں اپنے سسرال میں بڑی بہو بڑی بھاوج کا سا احترام اور عزت نہیں ملی جو اس رشتے کا خاصہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابل میں آبگین سراہی جاتی تھی۔ ہر جگہ اس کا نام احترام تھا۔ ساس سسر دیور نندیں......خاندان والے اس کے نام کا ڈنکا تھا۔ عزت کہیں بھی ہو کیسی بھی ہو۔ چرب زبانی سے نہیں بن سکتی۔

شیطان نے زری کو ورغلانا اکسانا شروع کر دیا۔

✵......✵......✵

عاصم کی زندگی میں ہی زری آبگین سے ہر طرح کا اختلاف رکھتی تھی۔ زری جب بیاہ کر اس گھر میں آئی تو ساس سسر نے بڑی بہو بڑے بیٹے کی خوشیوں بھری زندگی کو محبت سے گلے لگایا تھا۔ بڑے چاؤ سے چاؤ کئے تھے۔ ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا۔ کئی ماہ تک ہل کر پانی بھی نہ پینے دیا۔ پھر پہلا پوتا ہوا تو اور زیادہ پیاری ہو گئی۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جواباً انہیں زری بیگم اسی طرح کی محبت لوٹا دیتی مگر ان کی خصلت میں نرمی نہیں تھی۔ اور وہ صرف جلنے والے لوگوں میں سے تھیں کچھ ان کی اماں صاحبہ کا دخل تھا۔ جنہوں نے آہستہ آہستہ اس کے کانوں میں یہ اتار دیا تھا کہ تمہیں الگ گھر لینا ہے۔ کوئی فائدہ نہیں اتنے بڑے کنبے کی غلامی کا۔ جلد سے جلد علیحدگی اختیار کرو۔ ان باتوں نے بھی اسے سسرال میں گھلنے ملنے نہیں دیا اور فطرتاً وہ منکسر المزاج قسم کی لڑکی تھی بھی نہیں۔ اس کے ماتھے پر ہر وقت تیوریاں پڑی ہی رہتی تھیں۔

مومنہ خاتون ایک سمجھدار باشعور زمانہ شناس خاتون تھیں۔ چھوٹے بچے کی پیدائش پر زری کے تیور پہچان چکی تھیں۔ اور اب صرف بیٹے کے حوالے سے ہی عزیز تھی وہ جو بڑی بہو کا خاصہ ہوتا ہے وہ ان میں ندارد تھا۔ فائزہ اور نگین سے تو کبھی بنی ہی نہیں۔ ذرا سی بات پر گز بھر کی لمبی تلوار چلانے لگتیں۔ وہ جو ماں کے گھر سے تیز کر کے آئی تھی۔

کہہ سن کر وہ بیٹیوں کو خاموش کرا دیتی تھیں۔ گھر میں ہر وقت ایک تناؤ' اک کھنچاؤ کی کیفیت رہتی تھی۔ اور اس میں اس وقت اور اضافہ ہو جاتا جب گھر میں ان کے کزنز' احباب' رشتہ دار آ جاتے۔ وہ بچے کو اٹھا کر کمرے میں بند۔ اب ایک بہو کی خاطر وہ مہمان داری سے تو پہلو تہی نہیں برت سکتی تھیں۔ سو اس کا حل ضروری تھا۔

عاصم کی شادی پر انہوں نے جگہ کی کمی کا کہہ کر بیٹے کو علیحدہ کر دیا۔ بیٹے' پوتے' پوتیوں سے تعلق توڑا نہیں جا سکتا تھا اور بہتری کی بس یہی ایک صورت تھی۔ حالانکہ بچوں کی جدائی کسی کو بھی گوارا نہیں تھی مگر! پرسکون رہنے کے لئے یہ بہت ضروری تھا۔

زری کی جگہ آبگین نے لے لی۔ آبگین ایک سلجھی ہوئی ملنسار خوش اخلاق' سلیقہ مند کھلتے ہوئے رنگ کی چارمنگ سی لڑکی تھی جس کی براؤن آنکھوں میں ہر وقت ایک مسکان رقصاں رہتی تھی۔ اس کی ایک خوبی جس نے گھر والوں کی نگاہوں میں اسے آنکھ کا تارا بنا ڈالا تھا۔ وہ اس کا خلوص' متانت' اخلاقی تربیت' اس کا سلیقہ اور خیال و دھیان رکھنے کا انداز تھا۔ سب کی خبر گیری غیر محسوس انداز میں کرتی تھی۔ اسے سب کی پسند اور ناپسند کا خیال رہتا تھا۔ نندوں سے اس نے دوستی کا رشتہ استوار کر لیا تھا۔ محبت کے بدلے انسان کو محبت ہی ملتی ہے۔ اس کا دل' اس کا وجود گرد باد ہواؤں سے پاک و شفاف تھا۔ بہت تھوڑے عرصے میں اس نے گھر والوں کی نظروں میں اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔

عاصم اسے دیکھ کر کھل اٹھتا تھا۔ اس کی نگاہ شوہر کی نہیں محبوب کی ہوتی تھی۔ وہ اس چکور کے مانند تھا جس کا عشق چاند سے تھا۔

علیحدگی کے باوجود زری کو ان کی خوشحال زندگی سے ایک جلن' حسد رہنے لگا تھا۔ آئے دن وہ اس آگ میں جلتی تھی۔ آبگین کو سسرال میں بہت سی سہولتیں تھیں۔ زری کا فلیٹ تین کمروں پر مشتمل تھا۔ گھر کا خرچہ' بل' بچوں کے تعلیمی اخراجات' مہمان داری' اور شکیل کی کم تنخواہ' جبکہ آبگین اس کے مقابلے میں بنگلے میں رہ رہی تھی۔ چھ کمروں پر مشتمل پوش علاقے میں انہوں نے حال ہی میں بنگلہ خرید لیا تھا۔

اوپر دو کمرے اور ٹیرس تھا جو کہ آبگین کو ملا تھا۔ دوسرا کمرہ بچوں کی وجہ سے مل گیا تھا۔ تاہم اس علیحدگی سے اس نے فائدہ نہیں اٹھایا کہ کچن الگ کر لیتی۔ وہ ایک پڑھی لکھی باشعور فیملی سے آئی تھی۔ اس کی سرشت میں محبت تھی۔ انسیت' لگاؤ' فطری امر تھا۔

زری کے مقابلے میں آبگین ہر طرح کی مشکلوں سے آزاد تھی۔

بل وغیرہ اس کی دردسری نہیں تھی۔ باسم اور ثنا کی زیادہ تر ضروریات دادا دادی اور چچا پوری کرتے تھے۔ گھر کا سارا خرچہ' ساس سسر کے ہاتھ میں تھا۔

Digest Library .com

مہمان داری انہیں ہی نمٹانی ہوتی تھی۔ وہ صرف تابعدار تھی۔ عاجزی' انکساری' تابعداری' سرخوشی میں جو حسن پنہاں ہے وہ اور کسی چیز میں مضمر نہیں۔

اور زری نے اپنی عاقبت نااندیشی سے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری تھی اور اب حسد و رقابت کی آگ میں جلتے ہوئے شعلوں کے بستر پر کروٹیں لیتی تھی۔ زری کا شماران عورتوں میں ہوتا تھا جو نہ خوش رہنا جانتی ہیں اور نہ خوشی بانٹنا۔ بس وہ اس کی خوشحالی کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ جب بھی آتی کوئی نہ کوئی تلخ و کڑوی بات کر جاتی۔ جبکہ آبگین نے نظر اندازی کا امرت گھونٹ گھونٹ کر پی رکھا تھا۔ یا پھر وہ اس لئے بھی ہرٹ نہیں ہوتی تھی کہ اس کا میکہ مضبوط تھا۔ اسے ساس سسر کی محبت حاصل تھی۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ اسے عاصم کی بھرپور توجہ' محبت اور خلوص حاصل تھا۔

مگر! پھر وہ وعدہ لینے والا خود ہی ہرٹ ہو گیا یا ان کی گھریلو خوشگوار تعلقات' محبت بھری ازدواجی زندگی کو اس گھر کی خوشیوں کو زری کی کینہ پروری' کی بدنظری نے ڈس لیا۔

کچھ لوگوں کی نگاہ ہوتی ہی اتنی بد ہے لگادیں تو پورے گھر کو ہی کھا جائیں۔ زرین کو اس بات کی بھی خوشی تھی کہ عاصم مر گیا اور آبگین بیوہ ہو کر بے وقعت ہو جائے گی۔ وہ تو یہ بھی چاہتی تھی کہ آبگین بچوں کو لے کر میکے چلی جائے اور اس کی توقیر سسرال میں پھر بڑھ جائے مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی تھی کیونکہ آبگین نے اپنے بچوں کی خاطر میکے میں رہنے سے انکار کر دیا تھا اور زرین تلملا کر رہ گئی تھی۔ اسی دن سے وہ ایسی ترکیبوں میں کوشاں ہو گئی تھی کہ آبگین' سب کی نظروں سے گر جائے۔ اب بھی' نندیں' دیور' ساس' سسر سب اس کی ہی تعریف اور دلجوئی میں لگے رہتے تھے۔

✿......✿......✿

''آپ؟'' وہ جو سبزی بنا کر اٹھ رہی تھی' اسے دیکھ کر چونک گئی اور غیر ارادی طور پر دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔

''جی میں۔'' قریب آ کر وہ ڈھیر سے ہنسا' اور ہاتھ ماتھے پر لے جا کر آداب کہا۔ آبگین اندر تک کسیلی ہو گئی۔

بعض مرد ایسے ہوتے ہیں جن پر سرسری سی نگاہ بھی اٹھ جائے تو کراہیت آتی ہے۔ اور شارقہ کے جیٹھ عابد کا شمار ان جیسے غلیظ' بدفطرت' اوباش اور طرار مردوں میں ہوتا تھا جو آج پھر آ گیا تھا۔ جو بازی کوئی بھی ہو' کہیں بھی ہو' ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

''امی اندر ہیں!'' کڑواہٹ چھپا کر مشینی انداز میں کہہ کر اندر جانے لگی۔

''مگر شارقہ نے تو آپ کے پاس بھیجا تھا۔'' پیچھے قدم بڑھائے۔

''کیا؟'' برق رو نے اسے لہرا دیا۔ ''کیوں؟''

''آپ کی کریم کڑھائی والی قمیص منگوائی ہے۔ ڈیزائن کے لئے۔'' اس کی نظریں گویا وجود میں اترنے لگی تھیں۔

''کہہ دیجئے گا کہ قمیص دھلوا کر میں راحیل کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔ خوامخواہ آپ کو تکلیف دیتی ہے۔'' خشک لہجے میں کہتی اندر جانے لگی۔

''تکلیف کیسی' ہم تو غلام ہیں۔'' جاتے جاتے اس نے سنا۔ اور وہ دانت پیس کر دل ہی دل میں خبیث اور ذلیل کہہ کر رہ گئی اور یوں بڑھتی چلی گئی گویا اس نے سنا ہی نہ ہو۔

''بھابی چائے۔'' فشار خون کے بڑھتے ہوئے گراف کو ٹھنڈا پانی پی کر نیچے گرا رہی تھی کہ نگین آ گئی۔

''ہاں لے جاؤ دم پر ہے۔'' پیاز براؤن کرنے لگی۔

''ایک تو آپی کو جانے کیا ہو گیا ہے شرٹ آج نہیں منگوائیں گی تو کیا ہو جائے گا۔'' اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں نمایاں تھیں۔ لب بھینچ کر وہ اپنا کام

کرتی رہی۔ اور سر جھٹک کر وہ مسالہ بھوننے لگی۔

’’آپ اتنی مصروف رہتی ہیں‘ مہمانوں کو بھی کچھ ٹائم عنایت کردیا کیجئے۔‘‘ سنک میں رکھے برتن دھو کر پلٹ رہی تھی کہ عابد کی ذو معنی آواز پر کرپلٹی۔ اس کے چہرے پر بدفطرت مسکراہٹ نمایاں تھی۔

’’بھابی چائے۔‘‘ اسی وقت راحیل آ گیا۔

’’ارے عابد بھائی آپ۔ خیریت تو ہے؟‘‘ راحیل نے ہاتھ ملایا۔

’’پانی پینے آیا تھا۔ یہاں تو ہر شخص ہی مصروف ہے۔‘‘ تیز نگاہ اس پر اچھالی اور وہ کوئی کم سن‘ کم فہم‘ بچی نہ تھی جو اس ذومعنویت کو نہ سمجھتی مگر!

’’ارے میں آپ کو پانی دیتا ہوں۔‘‘ راحیل ریک پر سے گلاس اٹھا کر فریج کی جانب بڑھا۔

’’دراصل ہم لوگ فارغ رہنا پسند نہیں کرتے اس لئے مصروفیت ضروری ہے۔ یہ لیجئے۔‘‘ خندہ پیشانی سے مسکرا کر گلاس بڑھایا۔

’’شکریہ۔‘‘ گلاس تھام لیا۔ آبگین باہر نکل گئی۔ ایک گرم خاکستر کردینے والی تپش کا احساس اردگرد پھیلنے لگا۔

’میرے خدایا‘ دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔ خود کو مطمئن کرنے کے لئے طرح طرح کی تاویلیں دے کر واہمہ کہہ کر دل کو تسلی دی۔ مگر دماغ ہر تسلی کو مسترد کرتا جارہا تھا۔

عاصم کی ڈیتھ کے بعد عابد کی آمدورفت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ گھر کی بیٹی کا جیٹھ تھا۔ اسے روکا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ ہر دوسرے دن آن موجود ہوتا۔ آبگین خود کو نظر بندی کا تحفظ دینے لگی تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس کی زندگی آزمائشوں کا شکار ہوتی جارہی ہے۔

❁......❁......❁

تمہیں نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔‘‘ پہلی فرصت میں زری بھابی اس کے پاس پہنچی تھیں اور ابرو کو تیکھا کر کے ہونٹوں کو قدرے خم دے کر اپنے شولڈر کٹ بالوں میں‘ ہاتھ پھیر کر قدرے خشک لہجے میں کہا تھا۔

’’تمہیں گھر میں بیٹھنا چاہئے تھا۔ تمہاری ہر ضرورت تو پوری ہو رہی تھی۔‘‘

وہ جو بچوں کو ہوم ورک کروا رہی تھی‘ چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ ان کے سفید شلجم جیسی رنگت والے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ کی رمق تھی۔ سفید رنگت ہی شلجم سے میچ نہیں کرتی تھی بلکہ شلجم کا پھیکا ذائقہ بھی ان کے لہجے میں نمایاں تھا۔

’’بات ضرورت کی نہیں تھی بھابی‘ میں کب تک ان سب پر بوجھ بنی رہتی۔ بچوں کے اخراجات بڑھیں گے‘ وہ بڑے ہوں گے‘ بہتر یہ تھا کہ ابھی پلاننگ کرلی جاتی۔‘‘ دھیمے سے لہجے میں کہا۔

’’عاصم کا کفن تو میلا ہونے دیتیں۔ تمہیں باہر قدم نکالنے کی بہت جلدی تھی۔‘‘ لہجے میں خارزار مہک نمایاں تھی۔ آبگین انہیں چونک کر دیکھنے لگی۔ ان جملوں کا کیا مطلب ہوسکتا تھا اور اور...... یہ عورت کون ہوتی ہے اس کے معاملے میں بولنے والی۔ اسے اس طرح کی بات کرنے والی۔

کتاب بند کر کے گہری خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کا چہرہ اس بات کا غماز تھا ہم ایک نئی داستان رقم کریں گے‘ اور اسے ’’تم‘‘ سے منسوب کریں گے۔

’’میں نے بڑوں سے بات کرلی تھی ان کی رضامندی سے ہی یہ قدم اٹھایا ہے۔‘‘ مضبوط لہجے میں دلیل دی۔

’’ان کی رضامندی نے تمہاری مرضی کو جانا نہیں ہوگا۔‘‘ بغض کینہ کدورت کی بو اس کے اردگرد پھیلنے لگی۔ کچھ مردوں کو ہی نہیں‘ بلکہ کچھ عورتوں کو بھی دیکھ کر احساس ہوتا ہے یہ عورت نہ ہوتی‘ ان سے ہمارا کوئی رشتہ‘ کوئی ناتا نہ ہوتا‘ ہمارا ان سے سامنا نہ ہوتا‘ تعلق کی ڈور نہ ہوتی‘ اگر ہوتی تو اتنی مضبوط نہ ہوتی۔ یا پھر

ان جیسی کینہ پرور اور بغض رکھنے والی عورتوں سے ہمارا سامنا نہ ہوتا۔

مگر جب زندگی آزمائشی راستوں پر چل پڑتی ہے تو ہر تعلق کو رواداری سے نبھانا ضروری ہوتا ہے۔ توازن غیر متوازن ہوجائے تو شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

''بھابی!'' یوسف اسے پکارتا ادھر ہی آ گیا۔ وہ سر جھٹک کر بچوں کی کتابیں بیگ میں رکھنے لگی۔

''پلیز میرے کچھ دوست آئے ہیں۔ چائے کے ساتھ کچھ وغیرہ وغیرہ کا بندوبست کردیں۔'' اس کے لہجے میں محبت بھرا اصرار تھا اور آبگین پہلے ہی اس ماحول سے فرار چاہ رہی تھی۔ ایک لمحہ بھی اس عورت کو برداشت نہیں کرسکتی تھی جس کی نگاہوں میں شک و شرارت کے ناگ پھن اٹھارہے تھے۔

روزی بغور یوسف کا جائزہ لے رہی تھی۔ تیزی سے آنا' اسے پکارنا' آبگین کا برق رفتاری سے حکم کی تعمیل کرنا۔ اور...... اور یوسف کا اسے نظر انداز کرنا۔

یوسف کہہ کر جانے کے لئے نکلنے لگا تو گھومتے ہوئے زری پر نگاہ پڑی۔

''ارے بھابی آپ! آپ کب آئیں؟'' مہمان نوازی تو ضروری تھی۔

بیگ اٹھا کر آبگین پہلو بچا کر یوسف کے پاس سے گزر کر باہر نکل گئی۔ اسی دروازے سے مومنہ خاتون اندر آگئیں۔

''تمہیں کسی اور سے فرصت ملے تو کہیں اور دیکھو۔'' تیکھی تیوروں سے اسے دیکھا۔ یوسف کا دل صاف تھا کھل کر مسکرادیا۔ ''کسی اور'' ابھی زندگی میں آیا نہیں اور فرصت ہے نہیں کہ سر کھجاؤں۔'' مسکرا کر سر کھجایا۔

''اچھا ادھر بیٹھو مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

باوجود اس کے کہ دیور بھابی کی کبھی بھی نہیں بنی' زری کے اطوار' انداز کسی کو نہیں پسند تھے مگر تعلق نبھانے پر مجبور تھے۔ زری کے لہجے میں تحکم تھا۔

''میرے کچھ دوست انیکسی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''امی اب اس کی شادی کردیں۔ کتنی عمر اور کتنا تجربہ ہوگیا ہے اس کے ہم عمر دو بچوں کے باپ ہیں۔'' زری نے ساس کی جانب چہرہ گھما کر کہا۔

''ایسا نہ ہو کہ......'' تیکھی نگاہ سے سر سے لے کر پاؤں تک یوسف کو دیکھا۔ ''صاحب زادے کوئی چاند چڑھادیں۔''

''بھابی صاحبہ! جس چاند نے چڑھنا تھا وہ چڑھ چکا ہے اس کا اترنا اب محال ہے۔'' ذومعنی بات کہہ کر باہر نکل گیا مسکراتا ہوا۔ وہ بھابی کی ذات پر طنز کر کے گیا تھا۔ اور زری نگاہیں گھما کر ساس کو دیکھنے لگی۔

ایک جملے کا دونوں نے اپنی اپنی جگہ مطلب اخذ کیا تھا۔ یوسف کی ذومعنی مسکراہٹ نے ان کے شک کو تقویت دے دی۔ تو ساتھ ہی ایک الاؤ اس کے اندر روشن ہونے لگا تھا۔ ثانیے بھر کے مدوجزر کے بعد پھر ساس کو دیکھا۔

''امی! یہ تو سنجیدہ ہوگا ہی نہیں۔ آپ نے دیکھی ہے' کوئی لڑکی۔''

''یہ تو پروں پر پانی ہی نہیں پڑنے دیتا۔ ہوا بنالیا ہے اس نے شادی کو۔ کہتا ہے کہ پہلے قدم مضبوط کرلوں اسکے بعد۔''

''ٹھیک ہے اب یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ عمر بڑھتی جارہی ہے۔ پھر لڑکی بھی ویسے ہی ملے گی' میری نظر میں ایک دو لڑکیاں ہیں' تصویر لاکر دکھاؤں گی آپ کو۔'' انہوں نے گویا بڑی ذمے داری سے بار اٹھالیا۔ اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئیں۔ اور زری کا ذہن تیزی سے سلجھی ڈور میں گرہیں لگانے لگا۔

❀......❀......❀

قدرے سست روی سے وہ اسکول اسٹاف روم میں بیٹھی تھی۔ دس منٹ بعد اس کا پیریڈ شروع ہونے والا تھا۔ دو دن کی چھٹی کے بعد آج اسکول آئی تھی۔ زری

بھابی کی باتوں نے اسے بہت ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔

نہ جانے ان کے دل میں اس کے لئے اتنا کینہ اور بغض کیوں پیدا ہوگیا تھا۔ حالانکہ انہیں ہمیشہ ہی بڑی بھابیوں والا احترام دیا۔ بچوں سے پیار کیا مگر ان کی جانب سے آتی تپش اس کے وجود کو سلگاتی رہتی تھی۔

''مس آبگینہ! آپ کا پیریڈ شروع ہوچکا ہے۔''

وہ فائل گود میں رکھے گم تھی آواز پر چونک گئی۔ سامنے ہی خلیل کھڑا تھا۔ وہ بھی اسکول ٹیچر تھا۔ بہت سلجھا ہوا سمجھدار لڑکا تھا۔

''اچھا' مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔'' وہ فائل تھام کر کھڑی ہوگئی۔

''خیریت تو ہے آپ کچھ پریشان سی لگ رہی ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟''

''جی!'' اس نے چونک کر غائب دماغی سے سر اٹھایا۔ ''آں...... ہاں۔ بالکل ٹھیک ہوں بس ذرا سر میں درد تھا اب بہتر ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

خلیل رحمٰن اسے جاتے دیکھتا رہا۔

جب سے یہ ٹیچر آئی تھی اس کا اپنا آپ اختیار میں نہ رہا تھا۔ ابھی اسے آئے ایک ماہ ہوا تھا۔ کوئی خاص معلومات نہیں تھی اس کے بارے میں۔ اس کا محتاط انداز' باپردہ وجود پاکیزگی کا احساس دلاتا تھا۔ وہ بہت کم کسی سے بات کرتی تھی۔ فری پیریڈ میں کاپیاں چیک کرتی یا پھر کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتی تھی۔ اس کے چہرے کی اداسی تھی جو ایک دم سے دیکھنے والے کو اپنی جانب متوجہ کرلیتی تھی۔ سیاہ آنکھوں کی جھیلوں میں ایک نمی سی تیرتی محسوس ہوتی جنہیں چھپانے کے لئے وہ سیاہ پلکوں کو رخساروں پر سایہ فگن رکھتی تھی۔ اور خلیل رحمٰن اسے خصوصی توجہ سے نوٹ کرتا تھا اور اس کے بارے میں۔

کچھ معلومات چاہتا تھا تاکہ وہ اپنی ماں کو بتادے میرے لئے یہ لڑکی مناسب ہے مگر وہ اسے تو کیا کسی کو بھی دوست نہیں سمجھتی تھی۔

بریک میں خصوصی طور پر اس کے لئے اسپیشل چائے منگوائی۔ اور جب اسے پیش کرتے ہوئے خلیل الرحمٰن کہہ رہا تھا۔ ''بطور خاص اسپیشل چائے آپ کے لئے۔'' تو جہاں آبگینہ نے سر اٹھایا۔ وہاں تھوڑے فاصلے پر بیٹھی عاشی چونک گئی۔ خلیل الرحمٰن کے چہرے کی نرم نرم مسکراہٹ' آنکھوں کی چمک' لہجے کی کھنک اور آبگینہ کا چہرہ' اس کا دل اچھل کر ایک دم سے حلق میں آ گیا۔ خلیل الرحمٰن اور اس کی دوستی' اول روز سے ہی پائیدار تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے رازوں کے امین تھے۔ سارا اسٹاف جانتا تھا اتنی مستحکم دوستی کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ خود عاشی بھی خلیل الرحمٰن کی ذات میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ اگر اسے محبت کہتے ہیں تو اسے خلیل سے محبت ہوگئی تھی مگر خلیل نے کبھی بھی لفظوں سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ عاشی اسے پسند بھی بہت تھی۔ ہوسکتا تھا کہ وہ عاشی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرلیتا مگر آبگینہ کو دیکھ کر وہ عاشی کے بارے میں فیصلہ نہ کرسکا مگر اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ آبگینہ سے اظہار کرسکے۔

اس وقت خلیل کی خصوصی توجہ' عاشی کے دل و دماغ کو متاثر کرگئی تھی۔ پہلے تو اس نے دھیان نہیں دیا تھا مگر اب خصوصی نگاہ رکھنے لگی تھی۔

اسٹاف روم میں اس کے نزدیک کی کرسی پر بیٹھنا' خصوصی چائے وغیرہ کی آفر کرنا۔ پیریڈ ایکسچینج کرلینا۔ کاپیاں چیک کرنے میں مدد کرنا اور سب سے خصوصی وہ نگاہوں کی چمک تھی جو اسے دیکھ کر بڑھ جاتی تھی۔

ایک دم سے ہی عاشی کو احساس ہوا وہ تو خلیل کی محبت میں گرفتار ہے اس کا چھوڑنا سوہان روح ہوگا۔ ''نہیں'' اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ خلیل الرحمٰن اسے نظر انداز کرنے لگا تھا۔ اتنی محبت اتنی چاہت' اتنی پائیدار دوستی کو جب نظر انداز کیا جانے

لگے تو پھر دو باتیں ہوتی ہیں' یا توانا' خودداری' مضبوط کرداری عود کر آتی ہے اور یا پھر یہ سوچ کر پیچھے ہٹ جایا جاتا ہے کہ ہم اتنے گرے پڑے نہیں ہیں

یا پھر! حسد و رقابت کی آگ سب کچھ خاکستر کر دینے کے درپے ہو جاتی ہے اور عاشی کی شخصیت میں دوسرا عنصر زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔

''کیا بات ہے آج کل کچھ زیادہ بزی نہیں ہو گئے؟'' عاشی اپنا چائے کا کپ لے کر اس کی قریبی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت دونوں اسٹاف روم میں تنہا تھے۔ آبگینہ اپنی کلاس لینے گئی تھی۔

''میں' نہیں تو!'' خلیل اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''پھر اس گریز کی وجہ؟'' پہلے طنز اور پھر شکوے کو چھپا نہ سکی۔

''کیا مطلب!''

''کیا مجھے مطلب بھی سمجھانا پڑے گا تم نہیں جانتے کہ؟'' بمشکل بڑھتے ہوئے فشار خون کو کنٹرول میں رکھا۔

''عاشی! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا خلیل' بس تمہاری توجہ' تمہاری نگاہ......'' بے ساختہ ہی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''عاشی!'' خلیل اسے دیکھے گیا۔

اسی وقت آبگینہ اسٹاف روم میں داخل ہوئی۔ دونوں کو یوں بیٹھے دیکھ کر دھیرے سے مسکرائی اور اپنی فائل اٹھا کر باہر نکل گئی۔ عاشی کے وجود میں انگارے اترنے لگے۔ جبکہ خلیل ابھی تک اس کی مسکراہٹ کے جواب میں مسکرا رہا تھا۔ جلتی پر تیل کا کام ہوا' مگر ٹیچرز' اسٹاف روم میں جمع ہونے لگے تھے اس لئے بمشکل خود پر کنٹرول کیا۔

خلیل کی توجہ' اس کی مسکراہٹ' خیال و دھیان' یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آبگینہ کوئی کم فہم نہ تھی۔ اکثر سوچیں اسے حصار میں لے لیتیں۔ شاید اسے معلوم نہیں وہ مسز عاصم دو بچوں کی ماں انتیس سال کی ہوش مند بیوہ ہے۔ اور اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لئے یہ بتانا ضروری تھا۔ وہ تو بس عاشی کے ساتھ چلتا' ہنستا مسکراتا باتیں کرتا' بیٹھتا اچھا لگتا ہے۔ اس نے خلوص سے سوچا۔ کوئی بات کرنے سے پہلے' اسے باتوں باتوں میں بتا دے گی۔ تاکہ بے علمی میں اسکے قدم بڑھتے ہی نہ چلیں جائیں۔

وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گی کہ اس کی بیوگی پر حرف آئے۔ اور اس کے بچے اسے قصوروار سمجھیں یا پھر اس سے منسلک اس پر اعتماد کرنے والے لوگ دل برداشتہ ہوں۔

اس نے بہت مطمئن ہو کر سوچا اور اشنا کے برابر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

❁......❁......❁

''جلدی آئیں بھابی!'' یوسف بائیک اسٹارٹ کر کے چیخ رہا تھا۔ باسم اور اشنا پہلے ہی بیٹھ چکے تھے۔

''امی اور کچھ؟'' چادر کا نقاب چہرے پر لگا کر اس نے ساس سے پوچھا۔

''نہیں جو لکھا ہے وہی لے آؤ پھر اگلی بار بازار چلیں گے۔''

''خدا حافظ۔'' چادر سمیٹ کر بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

''ارے بائیک......گاڑی کیوں نہیں!'' وہ لان میں آتے ہی ٹھہر گئی۔

''گاڑی میں پیٹرول ختم ہے اور مجھے بہت جلدی ہے۔ آپ کو واپس ڈراپ کر کے مجھے کلب جانا ہے۔''

''اچھا۔'' کچھ سوچ کر ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔

بازار میں اس نے اپنی مطلوبہ چیزیں لیں دونوں بچوں کی ضرورت کی کچھ چیزیں خریدیں۔ ابھی پلٹ ہی رہی تھی کہ آواز پر رکنا پڑا۔

''ارے تم لوگ یہاں' بڑی تفریح ہو رہی ہے

فرصت ہے۔'' آبگینہ چونکی' یوسف نے پلٹ کر دیکھا۔ تیکھے تیور لیے زری بھابی شاپر لیے کھڑی تھیں۔

''ارے بھابی! آپ کو یاد نہیں آپ کو بھی اکثر ایسے ہی تفریح کروایا کرتا تھا بڑی فرصت ہے۔'' یوسف نے قریب آ کر انہی کے انداز میں ان کا جملہ انہیں لوٹا دیا۔

''تمیز نہیں تمہاری بڑی بھابی ہوں۔'' جھنجھل ہی ہو گئیں۔

''خوش قسمتی سے میرا ابھی ان سے یہی رشتہ ہے۔ حالانکہ مجھ سے چار سال چھوٹی ہیں۔'' یوسف نے ہنس کر دیکھا۔

''آبگینہ اب تو بچہ ہے' تم ہی ذرا خیال کرلیا کرو۔ اس طرح لوگ کتنی باتیں بنائیں گے کہ عاصم کی بیوہ اور دیور کے ساتھ یوں رنگ رلیاں منا رہی ہے۔ ہم لوگوں کی زبان تو نہیں پکڑ سکتے۔''

''میرے ساتھ میری .... اور دیورانی بھی ہیں بہتر ہے کہ جلدی سے یہاں سے جاؤ میں کیا صفائیاں دیتی رہوں گی۔'' انہوں نے چند لمحوں میں اپنے دل و دماغ کی ساری گندگی اس پر انڈیل دی اور یوسف کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''شرم کریں' کس کے متعلق کیا کہہ رہی ہیں۔ میرے لیے آپ دونوں ہی قابل احترام ہیں۔ اور گھر کے لوگوں کے بارے میں آپ کی یہ رائے ہے تو لوگ تو باتیں بنائیں گے ہی۔''

''باتیں لوگ یونہی نہیں بنایا کرتے۔ رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے نا۔'' انہوں نے طنز و تحقیر کی نگاہ آبگینہ پر ڈالی۔ آبگینہ کاٹو تو لہو نہیں کے مصداق کھڑی تھی۔ اتنا ہتک آمیز لہجہ' یہ عورت اس سے کس بات کا انتقام لے رہی ہے۔

''بھابی!'' شدت ضبط سے ہونٹ کاٹے۔ ''آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں یا کیا کہنا چاہتی ہیں۔''

''ہاں! ہوش و حواس میں کہہ رہی ہوں کہ بیوگی کی آڑ میں یہ کوئی گل نہ کھلا دے۔ تم لوگ گھر چلو میں امی سے آ کر بات کرتی ہوں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے کیا دھول اڑائی جارہی ہے۔'' دونوں پر کڑی نگاہ ڈال کر زری آگے بڑھ گئی۔

دونوں ساکت و جامد کھڑے رہ گئے۔ کیا کہہ گئی تھیں۔ انہیں اپنے کہے کی ترشی اور رویے کی بدصورتی کا ذرا بھی احساس نہیں تھا۔

''[illegible] یوسف۔'' بے بسی کی آخری نگاہ اس پر ڈالی۔

''کچھ نہیں ہوگا بھابی ایسی عورتوں کو میں سیدھا کرنا جانتا ہوں۔ اچھی طرح سے۔'' وہ دونوں بچوں کو لے کر باہر نکلنے لگا۔

آبگینہ کے آنسو کے گولے حلق میں پھنسنے لگے۔ چند لفظوں نے اسے اپنی نگاہ میں گرا دیا تھا۔ گھر کس طرح پہنچے اس کا دل جانتا تھا۔ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ یوسف ماں کی طرف گیا۔

''آبگینہ کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں۔'' دھیرے سے کہہ کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے نا؟'' ماں نے تفکر آمیز انداز میں اسے دیکھا۔

''امی!'' لب کاٹتے ہوئے ماں کو دیکھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح ماں کو بتائے۔

''کیا ہوا یوسف؟'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''بازار میں زری بھابی ملی تھیں۔''

''پھر؟''

''انہوں نے سخت انسلٹ آمیز انداز میں گفتگو کی ہے آبگینہ بھابی سارے راستے روتی آئی ہیں۔ میں خود ان سے شرمندہ ہوں۔''

''زری نے' کیوں' اسے کیا ہوا تھا؟'' ان کی

digest novels lovers group

پیشانی پر بل پڑ گئے۔

جواب میں یوسف نے من وعن بتا دیا تھا۔

"امی! میرے لئے بھابی محترم ہیں۔ میرے بھائی کی بیوہ ہیں۔ وہ کیا ہمارا فرض نہیں ہے ان کا خیال رکھنا۔ اتنی گندی ذہنیت ہے ان کی۔" وہ سخت مشتعل تھا۔

"میں پوچھوں گی اس سے۔" ان کا لہجہ گہری سوچ میں مبتلا ہو گیا۔

"بھابی کو جا کر دیکھیں۔ برا حال کر لیا ہے انہوں نے رو رو کر۔" جاتے جاتے یوسف کہہ گیا۔

وہ تھوڑی دیر بعد آنگین کے کمرے میں تھیں۔ مسلسل گریہ سے متورم آنکھیں، بھیگا چہرہ وہ ساس کو دیکھ کر ان کے گلے لگ گئی۔

"امی امی وہ کیوں میرے ساتھ ایسا کرتی ہیں؟ کیوں؟" بلک بلک رونے لگی۔ "میں نے تو ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑا۔"

"آنے دو اسے میں اس سے پوچھوں گی۔" انہوں نے دھیرے دھیرے سر سہلاتے ہوئے اسے تسلی دی۔

اگلے دن اسکول سے بچوں کو لیتی ہوئی گھر پہنچی تو گھر کی فضا کچھ بدلی بدلی سی محسوس ہوئی۔ ایک تناؤ جیسی، امی کو سلام کیا تو انہوں نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ نہ بچوں کو دیکھا...... اس کی چھٹی حس اسے خبردار کرنے لگی۔ کوئی انہونی ہوئی ہے۔

"نگین! کیا ہوا...... امی کا موڈ آف سا ہے۔" اپنی چادر اتارتے ہوئے نگین کے کمرے میں آ گئی۔

"بھابی!" دھیرے سے میگزین رکھتے ہوئے سر اٹھایا۔ "زری بھابی آئی تھیں۔"

"اچھا!" ایک دم اس کے جسم کی رگیں سکڑ گئیں۔ وہیں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

"وہ امی کو کچھ اور بتا رہی تھیں۔"

"کیا؟" اس کا چہرہ زرد ہونے لگا۔

"کہ...... کہ...... آپ اور بھائی کسی آئسکریم پارلر میں بیٹھ کر آئسکریم کھا رہے تھے اور خوب ہنس رہے تھے کھلکھلا کر اور...... اور یہ کہ آپ کے چہرے پر نقاب بھی نہیں تھی۔ اور؟" اس نے نگاہ چرالی۔ آنگین کا منہ اس سفاک اور شفاف جھوٹ پر کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ا...... ور...... اور...... آپ نے بہت گہرے کلر کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی۔"

"میرے خدایا۔" اپنا چکراتا ہوا سر اس نے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اور...... اور...... امی نے کوئی باز پرس نہیں کی۔" تیزی سے سر اٹھایا۔ "یوسف گھر پر تھا؟"

"نہیں۔" دونوں سوالوں کا ایک ساتھ سر ہلا کر نفی میں جواب دیا۔

"اور امی نے سن کر کیا کہا؟"

"بھابی نہ آپ موجود تھیں نہ بھائی، بھابی نے جی بھر کر امی کو بھڑکایا ہے اور اور شاید امی کو یقین بھی آ گیا ہے۔" اس نے ایک اچٹتی سی نظر سرسوں کا پھول بنی آنگین پر ڈالی۔

"نگین تم بچوں کو کھانا کھلا دو میں امی کے پاس ہوں۔"

"بھابی! امی خود آپ سے بات کریں گی ورنہ وہ مجھے ڈانٹیں گی کہ میں نے۔"

"نگین۔" جاتے جاتے سر گھما کر اسے دیکھا۔

"ان کا لہجہ ان کا انداز بتا رہا ہے کہ انہیں کوئی بات نہیں کرنی بلکہ وہ زری بھابی کی باتوں پر ایمان لا چکی ہیں۔" یہ کہہ کر نگین سرعت سے باہر نکل گئی۔

"امی!" کپڑے تہہ کرتے ہوئے انہوں نے سر اٹھایا۔ چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے ان کے بیڈ پر پیروں کے پاس بیٹھ گئی۔ "زری بھابی آئی تھیں؟" انہوں نے سر اٹھایا۔ "آپ نے میرے متعلق ان سے بات کی کہ انہوں نے اتنی غلیظ گفتگو کیوں کی۔" ساس

نے گہری خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔
”بولیں امی یا آپ نے ان کی باتوں پر یقین کرلیا ہے؟“
”آبگینہ! خود کو محتاط کرلو ہم......“ آگے کے لفظ انہوں نے روک لئے۔
”امی!“ دھیرے سے ان کے ہاتھ تھامے۔
”میں زندگی کے اس مقام پر کھڑی ہوں جہاں سے ہر موڑ ایک گہری کھائی ہے۔ مجھے ہر قدم محتاط ہو کر اٹھانا ہے‘ میں جانتی ہوں لیکن اگر کوئی پیچھے سے آکر دھکا دے دے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں زندگی کے بہت مشکل مقام پر کھڑی ہوں ان سے کہیں میری زندگی کو اور آزمائش نہ بنائیں۔“ ہونٹ کاٹتے ہوئے سسکی کو روکا۔
اس کے چہرے پر سچائی رقم تھی۔ مومنہ خاتون کی نگاہ اس کے چہرے پر مرتکز تھی۔ دل اس کی سچائی کا گواہ تھا‘ ذہن میں زری کے الفاظ تھے۔ ”اس نے ایسا کہا ہی کیوں؟ کچھ تو......“
”اتنا جھوٹ اور بہتان کیا وہ مسلمان نہیں ہیں۔ کیا انہیں پلٹ کر اسی خدا کے حضور نہیں جانا جہاں اعمال کی روشنی میں جنت اور دوزخ کا فیصلہ کیا جائے گا۔“ ہونٹ کترتے ہوئے انہیں دیکھا۔
”امی! میرے پاس اپنی ذات کی سچائی کے لئے کوئی گواہی نہیں ہے ماسوائے میرے لفظوں کے میں کوئی اور گواہی نہیں دے سکتی۔ آپ یوسف سے پوچھ لیں بے شک۔“
دھیرے سے انہوں نے اس کا سر شانے سے لگالیا۔ آبگینہ کے آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہوگیا۔ ان کا دماغ گہری سوچ میں مبتلا ہوگیا۔

❋......❋......❋

”آیئے آبگینہ‘ میں آپ کو ڈراپ کردوں۔“ اس روز دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خلیل الرحمن اس کے قریب آگیا۔
”نہیں‘ شکریہ میں چلی جاؤں گی دو قدم پر تو میرا گھر ہے۔“ بیگ شانے پر لٹکا کر مطلوبہ وین کے راستے پر نگاہ دوڑائی۔
”آپ اتنی ہی انجان ہیں یا صرف مجھ سے نگاہ چرا رہی ہیں۔“ اس کی سیاہ غلافی آنکھوں پر نگاہ ڈال کر خلیل نے کہہ ڈالا۔
”جی!“ وہ چونک گئی۔ اس کا غیر معمولی انداز‘ رویہ آنچ دیتا لہجہ اس کی تمام حسیں الرٹ ہوگئیں۔
”میں اتنی بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔“ اس کا لہجہ سخت ہوگیا۔
”مجھے آپ کا یہی غیر معمولی انداز تو پسند ہے۔“ دھیمی سی مسکان اس کے چہرے پر بکھر گئی جبکہ آبگینہ کا وجود شعلوں کی زد میں آگیا۔
”اور میں چاہتا ہوں کہ۔“ خلیل الرحمن اپنے دل میں موجزن محبت کے تمام اسباق کو اس کے سامنے دہرا کر اس کے دل کی کتاب کو اپنے نام کروالینا چاہتا تھا۔
اس کی بات سنے بغیر ایک تیز اچھلتی ہوئی نگاہ اس پر ڈال کر آبگینہ اپنے راستے پر تیزی سے چل دی۔
اس موڑ پر تین باتیں ایک ساتھ ظہور پذیر ہوئیں۔
دور کھڑی عاشی نے حسد و رقابت کے شعلوں میں گھر کر اس منظر کو دیکھا تو اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ ہمیں اس بات کا یقین ہوجائے کہ ہمیں اس شخص سے محبت ہے اور پھر یہ بھی نظر آئے کہ یہ شخص کسی اور جانب ملتفت ہوگیا ہے تو دل میں جوار بھاٹا یوں ہی اٹھتا ہے۔ عاشی کے دل کا آتش فشاں بڑھنے لگا۔ وہ کسی بھی قیمت پر خلیل الرحمن کو نہیں کھوئے گی۔ اب وہ خاموش نہیں رہے گی۔ اس نے سر کو یوں جھٹکا تھا گویا آبگینہ کے سر پر وار کیا ہو۔
دوسری بات یہ ہوئی جو نہیں ہونی چاہئے تھی۔ بطور خاص اس کی نگرانی کے خیال سے آف ٹائم پر یہاں سے گزرتی زری نے یہ منظر بڑے طنز آمیز انداز میں

دیکھا اور اس کے اندر شیطان بلیوں اچھلنے لگا۔

''اب دیکھتی ہوں محترمہ آبگین تم کیسے حکومت کرتی ہو تمہیں تو اس گھر سے نکلوا کر ہر حال میں وہاں اپنے قدم جمانے ہیں۔''

بڑی تیزی سے گاڑی اس کے پاس لے جا کر کھڑی کی۔ تیز بریک پر آبگین نے رخ موڑ کر دیکھا۔ اور نہ صرف چونکی بلکہ سلگ گئی۔

''لگتا ہے عاصم کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی ہے۔'' تیز آواز اور تیز لفظوں نے قدم روک دیا۔

انسانی روح میں شیطان حلول کر جائے تو پھر ہر قسم کی شیطانیت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ راہ گزر تھی اور وہ تماشا نہیں بننا چاہتی تھی۔ اور صاف ظاہر تھا کہ وہ خلیل سے گفتگو کا منظر دیکھ چکی ہے۔ سوچ کر اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔ پل صراط زندگی میں ہی ہوتی ہے یہ بندے کی آزمائش ہے وہ کس طرح دامن بچا کر گزرتا ہے۔ کوئی بھی جواب دیئے آگے بڑھ گئی۔ زری نے تیزی سے گاڑی نکال لی۔

آبگین کو یقین تھا کہ زری کی سواری سیدھی گھر جائے گی اور اس کے پہنچنے سے پہلے ہی کارگزاری انجام دے دے گی۔ مگر اب اسے کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ جو لوگ اپنے رب کی چوکھٹ پر سر جھکا کر خود کو اس کی نگہبانی میں دے دیتے ہیں وہ لوگ ہی اصل میں مومن ہوتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہوئی کہ خلیل الرحمٰن ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ اسے اس بات کی امید نہیں تھی کہ آبگین جسے اس نے پسند کیا ہے یوں اس کو نظر انداز کر کے چلی جائے گی۔ وہ اسے شرم پر ملحوظ رکھے ناپسندیدگی سمجھے یا پھر اس نے اس کی بات کا برا مانا تھا۔ دراصل خلیل الرحمٰن جیسے لوگ اس زعم میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے پاس سب کچھ ہے اور وہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہاتھ بڑھائیں اور خوشیوں کی برسات میں بھیگ جائیں۔ اور اسے اس بات کا بھی یقین تھا ایک لڑکی کو جو کچھ چاہئے ہوتا ہے وہ اس کے پاس موجود تھا۔ کسی بھی قسم کے اظہار سے پہلے وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ کسی بھی شخص سے محبت کرنے سے بھی پہلے اس کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اگر جان جاتا تو شاید قدم نہیں بڑھاتا۔

اس کے لئے یہ ہی کافی ہوتا کہ آبگین ایک بیوہ اور دو بچوں کی ماں ہے۔

❋......❋......❋

اپنے قدموں میں مضبوطی پیدا کر کے اس نے گھر کے گیٹ سے قدم اندر رکھے۔ لان میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ کاریڈور کی سیڑھیوں پر قدم رکھا تو لاؤنج سے آتی آوازیں نمایاں تھیں اور نمایاں کھنکتی ہوئی آواز زری کی تھی۔

''السلام علیکم امی!'' نمایاں طور پر اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے ساس کو سلام کیا اور چادر اتارنے لگی۔

''وعلیکم السلام۔''

زری اندر ہی اندر کھول گئی۔ جٹھانی دیورانی کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔

اور اسے اس جنگ کو جیتنا تھا۔ بدی، نفس اور بغض کی جنگ۔

''آج تمہیں دیر ہو گئی۔'' ساس نے بڑی نرمی سے سوال کیا تھا۔ مگر اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ ہاں اگر سوال ساس کی جانب سے ہوتا تو ضرور جواب دیتی۔

''امی! میں ذرا بچوں کو دیکھ لوں۔'' چادر اٹھا کر باہر نکلنے لگی۔

''میرے لئے ذرا اسکوائش بجھوا دینا۔'' نکلتے نکلتے اس نے زری کی طرح دار آواز سنی۔

''ہونہہ! بغض کی ملکہ۔ سر جھٹک کر کسی بھی قسم کا جواب دیئے بغیر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور یہ خاموشی اس کو کھولانے کے لئے کافی تھی۔ اسے مکمل یقین تھا کہ آبگین اس کا حکم مان لے گی اور اس کی

کوشش ہوگی کہ جو کچھ زری نے دیکھا ہے وہ ساس سے نہیں کہے گی۔ مگر یہ اس کی بھول تھی۔ اور زری نے اس لئے ساس کو کچھ نہیں بتایا کہ اب اس کا شاطر ذہن ایک اور جال بن رہا تھا۔ اب اس نے آبگینہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنا تھا' اور ساس کو منظر دکھا کر اپنے نمبر بڑھوانے تھے اور آبگینہ کو بچوں سمیت گھر سے نکالنا تھا۔

آبگینہ کے اسکول سے چند دن کی چھٹیاں لے لیں۔

نگین کی تاریخ رکھنے کے لئے آپا فاطمہ کے گھر والے آرہے تھے۔ تاریخ رکھی جاتی تو پھر وہ کافی دنوں کی چھٹیاں لے لیتی۔

اس کی چھٹی حس اسے عجیب سے واہموں میں مبتلا کرتی جارہی تھی مگر وہ سر جھٹک کر خود کو شادی کی تیاریوں کی مصروفیات' بچوں کے مشغلے' نگین سے کپڑوں کی تیاری کے سلسلے میں بات چیت شروع کردیتی اور یہ بھی نہ ہوتا تو امی کے پاس جا بیٹھتی۔

اپنے گرد اس نے حفاظتی بند کو اور مضبوط کردیا تھا۔

تاریخ والے دن زری معہ بچوں اور شکیل بھائی کے آگئی۔ آخری نند آخری بہن کی شادی تھی۔ شارقہ حسب معمول عابد کے ساتھ آئی۔ آبگینہ نے ہلکے سے کلر کا کاٹن کا سوٹ زیب تن کررکھا تھا اور کچن میں مصروف رہی۔ زلیخا کو آج اس نے روک لیا تھا کام زیادہ تھا۔ اوپر کا اندر باہر کا سب کام وہی کررہی تھی۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان دو نفوس کا سامنا کرنے سے بچ گئی جن کو نہ اگل سکتی تھی نہ نگل سکتی تھی اور صبر کی راہ پر چلنا تھا۔

''پانی مل جائے گا؟''

وہ جو چکن کڑھائی کو آخری شکل دے رہی تھی چونک کر پلٹی۔ وہ ذو معنی مخصوص مسکراہٹ لئے کھڑا تھا۔ ایسی مسکراہٹ جو وجود کو چیرتی ہوئی گزر جائے۔

''پلیز میں مصروف ہوں' آپ فریج سے بوتل نکال لیجئے۔'' بائیں ہاتھ سے ماتھے کا پسینہ صاف کیا۔ دائیں ہاتھ سے کڑھائی میں چمچ گھمایا۔ آنچ دھیمی کرکے مرچیں کاٹنے لگی۔ اسی پل زلیخا کچن میں داخل ہوئی۔

''زلیخا! صاحب کو گلاس میں پانی بھر کر دو۔ دیکھو ہاتھ دھو لینا۔''

ناک سکیڑ کر منہ اٹھا کر اس نے چکن کڑھائی کی مخصوص خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔

''خوشبو تو بہت اچھی ہے۔ ذائقہ بھی یقیناً بہت اچھا ہوگا۔''

وہ اندر تک کھول گئی۔ مرچیں کڑھائی میں ڈال کر چمچہ چلایا ساتھ ہی دل چاہا کہ گرم گرم چمچہ منہ پر مار دے۔ مگر کتنی عجیب بات ہے نا' کچھ لوگوں کو ہم لوگ ناپسند کرتے کے باوجود احترام دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ کڑھائی پر ڈھکن لگا کر مرچوں والے ہاتھ دھونے لگی۔

''اتنی کم گو کیوں ہوتی جارہی ہو آبگینہ!''

''کیا؟'' وہ یک لخت اس درجہ بے تکلفی پر پلٹی' بھابی کہنے والے ہونٹوں نے اس کا نام کیسے لیا۔ اور اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

عابد بھائی کے بالکل پیچھے دیوار سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے ہونٹوں پر نہ صرف ذومعنی بلکہ طنزیہ مسکراہٹ لئے ہونٹوں کے بائیں کنارے کو کترتی سر سے لے کر پاؤں تک اس کا جائزہ لیتی' زری بھابی کھڑی تھیں۔ اور ان کے بالکل آگے کچن کے دروازے میں ایستادہ عابد بھائی کھڑے کہہ رہے تھے۔

''مجھے ہر دم تمہارا احساس رہنے لگا ہے۔ بلکہ شاید...... نہیں بلکہ یقیناً میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

اس کا وجود تیز ہواؤں کی زد پر کھڑا بگولوں کے درمیان چکرا رہا تھا اور اس توہین آمیز گفتگو نے چہرہ

سرخ کر دیا۔
''عاصم کے بعد تم تو یہاں کی ملازمہ بن کر رہ گئی ہو ساری خوبصورتی کو گرہن لگا لو گی۔ میں تمہیں جلد ہی اپنے دل کی ملکہ بنا لوں گا۔ بولو تم بھی کچھ بولو کہ تم بھی مجھے اتنا ہی چاہتی ہو۔ کہونا۔''

ان کا چاہت و مان بھرا استفہامی لہجہ پوری قوت سے ہاتھ گھما کر رخ روشن الٹ دینا چاہتی تھی کہ زری جیسی شاطر عورت یکدم ہی آگے بڑھی۔

''عابد بھائی۔'' اس کے چہرے پر پرخلوص مسکراہٹ تھی۔

''اوہ آپ!'' یکدم ہی چونک کر پلٹا۔ ''آپ کب آئیں!'' لہجہ بھر کو گھبرایا مگر چہرے کی بھرپور اعتماد دیتی مسکراہٹ نے فکر کے بادلوں کو اڑا دیا۔

''جب آپ اظہار عشق فرما رہے تھے۔'' سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھا۔

''اوہ.....وہ؟'' بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ خجل سا ہو گیا۔ پھر نگاہ بھر کر اسے دیکھا اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا سر پر ہاتھ پھیر کر۔ ''اور تم؟'' زری بھابی عابد کی جگہ پر کھڑی ہوئیں۔ ''عاصم کی بیوہ۔ دو بچوں کی ماں' ایک پردہ دار خاتون شریف سسرال والوں کی ناک کے نیچے کون سا شرمناک کھیل کھیل رہی ہے؟''

''کیا؟'' اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ دیوار سے لگ گئی۔ ایسی تہمت ایسی ہتک۔ ''تم.....تم کون ہوتی ہو میرے کردار پر کیچڑ اچھالنے والی تم.....تو.....''

''گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے اس موضوع پر پھر بات ہوگی۔'' بھرپور تیکھی مسکراہٹ اس پر اچھالتی پلٹ گئی۔ وہ گم صم' حواس باختہ سی کھڑی رہ گئی۔

''یا خدایا' میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا میں تو کچھ کہہ کیوں نہیں سکی۔'' وہ ادھر ہی کرسی پر گر گئی۔

عابد بھائی کا منہ کیوں نہیں توڑ دیا۔ سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ زری بھابی کی زبان پر بند کیوں نہیں باندھا۔ اسے تو شہہ سرخی مل گئی ہے اب اس پر خبریں لگاتی پھرے گی۔

عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ کردار کے شفاف آئینے میں دراڑ بھی آجائے تو انگلیاں فگار ہو جاتی ہیں۔ دراڑ نہیں بھرتی۔ غائب دماغی سے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ مختل حواس کے ساتھ کچن سے باہر نکل گئی۔

''یا.....خدایا!'' دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیڈ پر گر گئی۔ یہ ..... یہ کس قماش کی عورت ہے۔ اور.....اور عابد بھائی.....ان کی مکروہ ہنسی۔

''بھابی پلیز.....ذرا انکل اسلام کے لئے چائے تو بنا دیں۔'' یوسف بے دھڑک اندر آ گیا۔

''آں.....ہاں.....'' سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا بھابی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' چونک کر آگے آیا۔

''ہاں.....طبیعت تو ٹھیک ہے کیا ہوا؟'' یکدم ہی سر جھٹک کر خود کو سنبھالا۔

''پلیز دو کپ چائے!''

''اچھا!'' اٹھ کر باہر نکلی۔ پیچھے سے یوسف نے اسے دیکھتے ہوئے قدم آگے بڑھائے دونوں ساتھ ساتھ کمرے سے نکلے۔ اور اس منظر کو دیکھنے کے لئے مشتاق زری بھابی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ آبگین تو اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھی اس لئے نکلتی چلی گئی

''اوہ۔ بھاوج کی دلگیری ہو رہی تھی۔'' وہ عادت سے مجبور زبان تیغ کو چلانے سے روک نہ سکی۔

''جی!'' وہ جو اس دن کے بعد سے ان سے مخاطب ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس براہ راست مخاطب سے ٹھٹک کر چونکا۔

''اب تم اتنے معصوم بھی نہیں ہو۔ نہیں کہتی تمہاری امی جان سے۔'' تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔ اس انداز اور

لہجے پر اچنبھے سے انہیں دیکھا جو نجانے کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔

''یوسف!'' باہر سے ابو آواز دے رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا نکل گیا۔ تاہم اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا۔ اور تفکر آمیز راستے اس کے لئے بھی کھل گئے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔

❁......❁......❁

''آپ..... اتنے دن بعد..... طبیعت تو ٹھیک تھی آپ کی؟'' آج تقریباً پانچ دن بعد اسکول آئی تھی۔ خلیل الرحمٰن تو گویا اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر انتہائی بے تابی سے اس کی جانب بڑھا۔ اور بے قراری سے لفظوں کو بیان کیا۔ آبگین سلگ کر رہ گئی۔ تاہم یہی وقت تھا جب اسے خود کو مضبوط عورت بنانا تھا۔ وہ کوئی ٹین ایجر نہیں تھی کہ لجا جاتی اور خلیل الرحمٰن کی محبت میں ڈوبی عاشی جیسی کمزور اعصاب کی لڑکی یہ منظر خلیل الرحمٰن کے چہرے کے نوخیز رنگ دیکھ کر محبت کا سائیکلون بن گئی۔ اور طوفان کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کے اثرات بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔ آریا..... پار..... ان کی جانب بڑھی۔

''جی! میرے بیٹے باسم کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' نہایت اعتماد سے سر اٹھا کر باوقار انداز میں کہا۔

''بیٹا؟'' خلیل الرحمٰن کا سر گھوم گیا۔

''تم' تم۔'' عاشی طوفان بنی آبگین کے روبرو تھی۔ ''تم! تمہیں شرم آنی چاہئے اس نقاب کی آڑ میں تم یہ گل کھلاتی ہو۔'' کف نکلتے لفظوں کے ساتھ انگلی سے اس کی جانب اشارہ کیا۔

دونوں چونک گئے۔

''کم سے کم اپنے جوان کم عمر شوہر کی بیوگی کا ہی احساس کرلو۔ لوز کریکٹر عورت۔''

بیوگی' بیوہ' موت۔

خلیل الرحمٰن کے سر پر ایک اور دھماکہ ہوا۔

''لوز کریکٹر!'' آبگین کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالتے شرم تو نہیں آتی۔'' اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ اسٹاف روم کے ٹیچر باہر آگئے۔

''چٹاخ! چٹاخ!'' آبگین کا ہاتھ پوری قوت سے اٹھ گیا۔ وہ راہ میں رکھا بے حقیر و کم قیمت پتھر نہیں تھی کہ ہر کوئی ٹھوکر لگا کر چلا جائے۔ خاموشی ہر جگہ بھی اچھی نہیں ہوتی۔

''اپنی ماں سے کہنا تمہیں گفتگو کرنے کا سلیقہ سکھائے۔ بدتمیز لڑکی۔''

''مسز عاصم کیا ہوا؟'' پرنسپل درانی صاحب باہر آگئے۔

''سر! عاشی تیزی سے ان کی جانب بڑھی۔ خلیل الرحمٰن کے حواس گم ہونے لگے۔ پے در پے انکشافات' اوپر سے تمام ٹیچرز شور سن کر آگئے تھے۔

''سر! یہ اسکول ہے' ان کا گھر نہیں جہاں یہ عشق کی پینگیں بڑھائیں گی۔'' شعلہ بار نگاہوں سے آبگین کو دیکھتے ہوئے اس نے انتہا کردی۔ آبگین ہکا بکا رہ گئی۔

''عاشی!'' خلیل الرحمٰن سلگ گیا۔ بات بہت بڑھ گئی۔

''آپ لوگ میرے روم میں آیئے۔'' آبگین چونکہ ان کے دوست کی بیٹی تھی اس لئے اس کی عزت کا احساس تھا۔ بقیہ ٹیچر معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے چلے گئے۔

''جی کیا مسئلہ ہے؟'' درانی صاحب نے اپنی سیٹ سنبھالی۔

''سر..... کوئی مسئلہ نہیں ہے عاشی نے تو بس..... انہیں نا معلوم کیا ہوا ہے جو انہوں نے مسز عاصم کی اتنی انسلٹ کی ہے۔'' خلیل الرحمٰن نے خود کو سنبھالا اور صورت حال کا جائزہ لے کر بولا۔

''مس عاشی آپ!'' درانی صاحب اس کی جانب

متوجہ ہوئے۔

”سر! سب کو اسکول کے قاعدے، قوانین کا پاس کرنا چاہئے۔ یہ درس گاہ ہے اور یہاں بچے اساتذہ سے ہی سب کچھ سیکھتے ہیں۔“

خلیل الرحمٰن کی آنکھوں میں اجنبیت دیکھ کر بات ہی بدل دی۔ تاہم دل کو کچھ سکون ملا تھا۔

”مسز عاصم! پرنسپل درانی صاحب جہاں دیدہ آدمی تھے۔ ایک عمر اس دشت کی سیاحی میں گزاری تھی۔

”سر! مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے لوگوں کے دل، ضمیر اور ذہن اتنے بوسیدہ اور تنگ نظر ہو گئے ہیں کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی ہے اور میرا قصور یہ ہے کہ میں بیوہ اور دو بچوں کی ماں ہوں جو اپنے بچوں کے اچھے مستقبل کے لئے نوکری کر رہی ہے۔ لیکن یہ لوگ عزت سے جینے نہیں دیتے۔ میں بیوہ ہوں، کسی سے بات کروں گی تو گناہ گار ٹھہرائی جاؤں گی، کسی سے خندہ پیشانی سے [illegible] گی تو سزا کی مستحق ہوں، کسی کی جانب نگاہ اٹھاؤں گی تو سنگسار کردی جاؤں گی، مجھے بتایئے سر اس عزت دار معاشرے میں کوئی ایسا قانون ہے جو بیوہ پر لاگو ہوتا ہے ناکردہ بھی عزت کی جنگ جیت سکے۔“ آبگین کی آواز دھیمی اور لہجہ سرد تھا۔

”میرا شوہر اتنا مکمل انسان تھا کہ اس کی بیوہ بننے میں بھی مجھے فخر ہے۔ میں کسی قسم کے احساس محرومی کا شکار نہیں۔“

یہ بات اس نے خلیل الرحمٰن کی جانب دیکھ کر کہی۔ اس کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔

”انکل! آپ تو مجھے بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں نا، انہیں میرے کردار کا سرٹیفکیٹ دکھا دیجئے گا تاکہ آئندہ کسی کو اتنی جرات نہ ہو۔“ دونوں پر سرد نگاہ ڈال کر باہر نکل گئی۔

اور اب دونوں پرنسپل درانی کی گرم نگاہوں کی زد میں تھے۔

پھر وہ پورے ایک ہفتہ اسکول نہیں گئی یہاں تک کہ سر درانی نے اسے رنگ کیا۔ ”آبگین بیٹا اسکول آجاؤ میں نے انہیں ڈس مس کردیا ہے۔“

اس روز اسکول جاتے ہوئے اس نے خلوص دل سے دعا مانگی۔ یااللہ دونوں کے حال تو بہتر جانتا ہے میری رہنمائی کر۔ مجھے راستہ دکھا اور میری زندگی کی مشکلات کو آسان کردے۔

وہ بچوں کے ساتھ لان میں بیٹھی تھی۔ بچے کھیل رہے تھے اور آبگین نگین کی قمیص پر کڑھائی کررہی تھی۔ تبھی کال بیل ہوئی اور گیٹ کھول کر چند لمحوں بعد عابد اندر تھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ بمشکل سلام کیا۔

”آپ! امی تو گھر پر نہیں ہیں۔“

”میں جانتا ہوں۔“ کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرایا۔

”پھر؟“ اچنبھے سے انداز میں دیکھا۔

”میں نے انہیں ابھی کچھ دیر پہلے جیولرز کے پاس دیکھا تھا۔ اس لئے ادھر آگیا۔ کافی دن ہوگئے تھے ملاقات کئے ہوئے پھر آپ نے میری بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ سواسی لئے۔“

”کیا؟“ اس کے تو حواس گم ہوگئے۔ ”کون سی بات؟“

”وہی دل کی ملکہ والی۔“

”میں تو سمجھ رہی تھی کہ آپ راہ راست پر آچکے ہوں گے مگر آپ۔“

”دیکھیں آبگین۔“ اس کے حق دارانہ لہجے نے آگ لگادی۔

”بھابی کہا کریں مجھے۔ میں آپ کے دوست عاصم کی بیوہ ہوں۔“

”کیا بیوہ کے جذبات مرجاتے ہیں، کیا بیوہ کو جینے کا حق نہیں میں تو آپ کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں۔“ بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔

''عابد بھائی!'' اس کا لہجہ چیخ گیا۔
''دھیرج' دھیرج۔ بھائی نہیں' صرف عابد۔'' اس کا لہجہ پرسکون تھا۔
''آئندہ اپنی گندی زبان سے میرا نام مت لیجئے گا اور نہ آئندہ ادھر آنے کی زحمت کیجئے گا۔'' کھول کر کھڑی ہوگئی۔ تبھی باہر گاڑی کا ہارن بجا اور چوکیدار نے گیٹ پورا کھول دیا۔ صد شکر کرنے بھی نہ پائی تھی کہ پھر کھول گئی آنے والی گاڑی زری بھابی کی تھی۔
''ارے عابد تم؟'' ان کی آنکھوں میں روشن چمک تھی۔ جواب میں وہ ذو معنی مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگا۔
''امی اور نگین کہاں ہیں۔''
''وہ دونوں تو بازار گئی ہیں۔'' سر کھجا کر با معنی انداز میں انہیں دیکھا۔
''اچھا!'' اس کی مسکراہٹ پر طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی۔
''گھر والوں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔''
''بھابی!'' اسے پتنگے لگ گئے۔
''ہمیں کیا گھور رہی ہو جو دیکھا وہ کہہ دیا۔''
''آنکھوں دیکھا ہمیشہ سچ ہی نہیں ہوتا۔ ابو سٹنگ روم میں میچ دیکھ رہے ہیں۔ آپ لوگ جاسکتے ہیں وہاں۔''
''کیا؟'' عابد کی سٹی گم ہونے لگی۔ اور زری نے بھی پہلو بدلا۔ تیز نگاہ ان لوگوں پر ڈالتی فریم اور دھاگے اٹھا کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔
''بے وقوف! فون کرکے گھر والوں کے متعلق معلوم تو کرلیتے۔'' زری نے گھورا۔ جواب میں وہ بس ہنس دیا۔
''بس بھابی کسی طرح سے اس عورت سے میرا نکاح پڑھوادیں سچ ساری عمر دعا دوں گا۔'' اس کے چہرے پر چبھتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔
''اس کی تم فکر ہی نہ کرو۔ ایسی چال چلوں گی کہ تمہارا بھی کام ہوجائے اور میرا بھی راستہ صاف ہوجائے گا۔'' دونوں ہاتھ ملتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔
''مگر کب تک؟'' بے تابی عیاں تھی۔
''بس تم اس طرح آنا جانا لگائے رکھو۔ کسی دن چٹکی میں دبا دوں گی۔ اور......''
بڑی کھلی نگاہ اس پر ڈالی۔ عابد کھلکھلا کر ہنسنا چاہتا تھا مگر مسکرا کر رہ گیا۔
گیٹ سے یوسف کی بائیک اندر آرہی تھی۔

❁......❁......❁

''یہ شارقہ بھابی نے بھجوایا ہے کہہ رہی تھیں میرے پاس ٹائم نہیں ہے سی دیجئے۔''
ہشنا کی کئی فراکیں سی کر استری سے سلائیاں جما رہی تھی کہ آواز پر پلٹی اور اس کا خون کھول گیا۔ دانت نکالے عابد کھڑا تھا۔ خاموشی سے پیکٹ لے کر سائیڈ پر رکھ دیا۔
''بہت اداس اور پریشان لگ رہی ہو۔'' بڑے مطمئن انداز میں اسے دیکھ کر قریب ہوا۔
''عابد صاحب۔'' خود پر کنٹرول کیا خون کھول گیا۔
''پہلے عابد بھائی اور اب عابد صاحب۔'' دروازے کے پیچھے قدرے فاصلے سے کھڑی زری نے معنی خیزی سے سنا۔
''اگر میں آپ کا احترام کرتی ہوں اور میں نے آپ کے خلاف اس دن کی بات کا کوئی ایکشن نہیں لیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے دل میں نرم گوشہ ہے۔ نہیں آپ کا اس گھر سے رشتہ ہے میری نند کے حوالے سے لیکن مجھے اتنا تنگ مت کریئے گا کہ میں اپنے حواس کھو بیٹھوں۔''
''اور ہم جو آپ کو دیکھتے ہی ہوش کھو دیتے ہیں۔'' زری جیسی شاطر عورت کی شہ پر آگے بڑھا تھا۔

digestlibrary.com

"ایسے مریضوں کا علاج یا تو پاگل خانے میں ہے یا نفسیاتی امراض کے ہاسپٹل میں رجوع کر لیجئے گا۔"
کھولتی ہوئی نگاہ ڈال کر باہر نکلی تو مکروہ ہنسی ہنستی زری سے نگاہ ٹکرا گئی اور سارا کھیل سمجھ میں آ گیا۔ نفرت بھری نگاہ ڈالتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

مصیبت یہ تھی کہ شادی شروع ہوگئی تھی۔ آج نگین کی مایوں تھی اور گھر میں مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ امی، ابو مصروف تھے۔ وہ کسی بھی قسم کی بدمزگی کا مظاہرہ نہیں کرسکتی تھی۔ اگر زری حد سے گزر رہی تھی تو ابھی اسے خود کو کنٹرول میں رکھنا تھا۔

یوسف، باسم، اشنا کے ساتھ وڈیو گیم میں مصروف تھا۔

"کیا ہوا بھابی؟" اسے یوں بیڈ پر بیٹھا دیکھ کر یوسف نے نگاہ گھما کر پوچھا۔ وہ غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگی۔ بتائے نا بتائے۔ یقین کرے گا۔ مگر پھر وہی بدمزگی ہوجائے گی گھر میں۔ فاطمہ، جانے کیا سوچے۔ اس کا ذہن الجھنے لگا۔

"کیا ہوا بھابی؟" یوسف نے پھر پوچھا۔

"آں ہاں کچھ نہیں۔" فراک کبڈ میں رکھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ یوسف بھی الجھ گیا تھا۔ اس انداز پر۔

"گھر میں اتنے کام ہیں پر لڑکے جانے کہاں چلے گئے ہیں۔ ذرا ہار پھول تو لا دیتے۔" مومنہ خاتون بڑبڑاتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ شام کو مایوں ہے عین وقت پر ہزاروں کام بھول جاتے ہیں پھر بھاگتے پھریں گے۔ معلوم نہیں یوسف اور راحیل کدھر ہیں۔" وہ کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔

"امی! ذرا گھر کے اندر بھی نگاہ گھمائیے۔ یوسف کو ابھی ابھی میں نے آبگین کے کمرے میں جاتے دیکھا ہے۔ ہاتھ میں کچھ لفافہ میں تھا۔"

اپنے بیٹے کو کپڑے پہناتے ہوئے کہا لہجہ کچھ سمجھانے کچھ جتانے کا تھا۔ تاہم چہرے کے زاویے بہت کچھ سمجھا رہے تھے۔ مومنہ خاتون کوئی تیز وطرار عورت نہیں تھیں ان کا دل ودماغ سادہ، صاف شفاف تھا۔

"ہاں بچوں کے لئے کپڑے لایا تھا۔ وہی دینے گیا ہوگا۔"

"بچوں کے لئے یا بچوں کی ماں کے لئے۔" میلے کپڑے اٹھا کر دیکھا۔

"بھاوج ہے لے آیا تو کیا ہوا۔ تم کسی لڑکے کو بلا کر لاؤ کچھ چیزیں منگوانی ہیں۔" وہ اب بھی نہیں سمجھی تھیں۔ اور اپنی بات کو ضائع ہوتا دیکھ کر زری کا خون کھول اٹھا۔

"امی! ذرا ان لڑکوں پر نگاہ رکھیں، جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو پھر واویلا مچائیں گی۔"

مومنہ خاتون اس کی شکل دیکھنے لگیں۔ تبھی آبگین اندر داخل ہوئی۔ زری کو دیکھ کر لمحہ بھر کو رکی اور پھر ساس کی جانب بڑھ گئی۔

"امی یہ پھول، ہار اور گہنے منگوا دیئے ہیں۔ انہیں ذرا ٹھیک کروا کر رکھ دیں اور آپ کا سوٹ استری کر کے رکھا ہے پہن لیئے۔ عصر کی نماز کے بعد رسم کروا دیجئے گا۔" نئے ہلکے سبز کلر کے ایمبرائیڈی والے لباس میں سر پر دوپٹہ اوڑھے بہت سادہ اور شفاف لگ رہی تھی۔

"اچھا ہوا تم نے منگوا لئے ابھی میں زری سے یہی کہہ رہی تھی۔" لمحہ بھر کو زری کی بات بھول گئیں۔

"ارے تم نے نیا سوٹ پہنا ہے۔" بڑے ہی ذو معنی انداز میں اسے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا تھا زری نے۔

"ہاں!" اس کے لہجے میں یقین تھا۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم؟"

"ہاں یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں عاصم کی بیوہ ہوں۔ عاصم سے میری ذاتی خوشی وابستہ تھی۔ اس گھر سے میرا محبت کا رشتہ ہے۔ اور محبت میں ہر خوشی کو شیئر کیا جاتا ہے۔"

لفظ چبا کر بنا لحاظ کیے ہوئے اسے دیکھا۔ اور ساس کی موجودگی میں جواب دیا۔ ایک لمحہ کے لیے وہ بھی چونک کر دونوں کو دیکھنے لگی۔

''تمہیں رسم کرنے کی ضرورت نہیں ہے بدشگونی ہوگی۔''

ایک اور تیر چھوڑا۔ اور آبگین آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتی ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

''زری! کیسی بات کر رہی ہو تم۔ کیا ہوا ہے تم دونوں کے بیچ۔''

''ہوا تو کچھ نہیں ہے ایسا شاید ہو جائے۔''

تبھی فون کی بیل بجی۔ زری نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا آ۔ آبگین پلٹ کر جانے لگی۔

''آبگین! تمہارا فون ہے۔'' زری کی آواز نے قدم روک لیے۔ تاہم پوچھے بغیر کس کا ہے پلٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو!''

''ہیلو! آبگین میں عابد بول رہا ہوں یار۔''

اس کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا۔ کھول کر زری کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر خبیث مسکراہٹ تھی۔

''آج تو خالصتاً عورتوں کی محفل ہے۔ کل آؤں گا بہت اچھا سا تیار ہونا۔ دیدار یار کے لیے۔'' بڑا کھلا لہجہ تھا۔

''امی! آپ کا فون ہے۔'' اس نے ریسیور ساس کی جانب بڑھا دیا۔ عابد نے بڑبڑا کر فون رکھ دیا۔

''ایسے بے ہودہ مذاق آپ کو زیب نہیں دیتے۔'' ایک خشمگیں نگاہ زری پر ڈال کر باہر نکل گئی۔

''جانے کون تھا فون بند ہو گیا۔'' مومنہ خاتون کہتے ہوئے فون رکھنے لگیں۔

خاندان کی عورتوں کے ساتھ زری نے اپنا الگ گروپ بنا لیا، مشق سخن آبگین کی ذات ہی تھی مگر اسے مطلق پروا نہیں تھی۔ مہمان داری، گھریلو سلیقہ طریقہ، ہنسی مذاق، اسی طرح کر رہی تھی۔ راحیل اور یوسف بھی بھابی بھابی کرتے اس کے پیچھے تھے۔

چچی صفیہ کو یہ سب بہت کھل رہا تھا۔ ان کی دونوں بیٹیاں ساتھ تھیں۔ دونوں ہی اچھے ہاتھ پیروں والیاں تھیں۔ کھلتا ہوا گندمی رنگ، ستواں ناک، روشن آنکھیں، مگر یوسف نے نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ لائی بھی خوب بنک سک سے تھیں۔ اور ارادہ تھا مومنہ بھابی سے بات کریں گی۔ مگر یوسف تو آبگین کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

ان کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ وہ بھی زری کے گروپ میں شامل تھیں۔ صفیہ چچی کے علاوہ پھوپو زینت کی سیما اور ماموں منیر کی شاکرہ اور فردوس بھی آئی ہوئی تھیں جواں بیٹیوں کی ماؤں کو جوان پڑھے لکھے برسرروزگار لڑکوں سے آس ہو ہی جاتی ہے۔

پھر یہ تو معاملہ بھی خاندان کا تھا۔

سب کو ہی آبگین کا منظور نگاہ بننا کھل رہا تھا۔ مگر کہنے کا حوصلہ نہ تھا۔

سوائے رسموں کے ہر کام میں آبگین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لباس ہر موقع کا مناسب تھا۔ اور نیا تھا مگر چوڑیاں، مہندی، اور کسی بھی بار سنگھار سے مبرا سادہ پاکیزہ، اس پر بھی نکھار تھا۔

آج نگین کی مہندی تھی، یوسف، اثنا کو بھابی کے حوالے کر کے کسی بات پر مسکرا رہا تھا صفیہ چچی کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ ان کی مدحت کیا کسی سے کم تھی۔

''بھابی! اپنے دو جوان لڑکوں کی موجودگی میں آبگین کو گھر میں کیوں رکھا ہے۔'' رات کو انہوں نے اپنے من کا کانٹا نکال ہی دیا۔

''کیا مطلب؟ اس کا گھر ہے، دیور ہے بچے ہیں۔ کہاں جائے گی بے چاری۔ کتنی سلیقہ شعار ہے۔'' ان کے لہجے میں فطری محبت تھی۔

''بھابی۔'' وہ ذومعنی سی ان کی جانب جھکی۔ قدرے فاصلے پر زینت سو رہی تھیں۔ ''سسرال کے رشتے شوہر کے دم سے قائم بھی ہوتے ہیں اور اچھے

بھی لگتے ہیں۔ اب اس کا یہاں کیا کام، منحوس پیارے بیٹے کو کھا گئی، چلتا کریں اسے بوجھ بنالیا ہے اپنا۔ دونوں لڑکوں کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔'' دل کا پھپھولہ پھوڑ لیا۔ مومنہ خاتون اچنبھے سے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

''اب یوسف کا گھر بسانے کی فکر کریں۔ اس نوڑ ماری نے تو دونوں دیوروں کو کاٹھ کا الو بنا کر انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔'' صفیہ خاتون نے کانوں میں زہر انڈیلا۔ دیورانی جٹھانی کی سرگوشیاں سن کر زینت بھی اٹھ کر قریب آ گئیں۔

''کیا ہوا؟''

جبکہ مومنہ خاتون ٹکر ٹکر ان کا منہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ بہت سادہ طبیعت کی تھیں۔ سادہ مزاج تھا، تیزی ہوشیاری نہیں تھی ان میں۔ پہلے بڑی بہو زری کی باتیں، اب صفیہ، ان کے حواس بیدار ہونے لگے۔

''ہونا کیا ہے زینت آپا، اپنی بھولی بھاوج کو سمجھا رہی تھی کہ نگاہ رکھیں ایسا نہ ہو کہ بیٹے ہاتھ سے جائیں۔''

''اللہ نہ کرے۔'' دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ ساتھ ہی دل میں شک کا سانپ سر اٹھانے لگا۔

''ہاں آپا میں بھی آپ سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی کہ یہ آپ کی آنکھوں میں کونسی دھول جھونکی جارہی ہے۔ اب یوسف اور راحیل کوئی بچے نہیں ہیں جو یوں بھابی کا دامن تھام کر چلتے ہیں۔ بڑی چلتر لڑکی ہے۔'' آنکھ کے ابرو سے صفیہ کو اشارہ کیا۔ تو صفیہ شروع ہو گئیں اور وہ ہکا بکا انہیں دیکھ رہی تھیں۔ دماغ ان سب باتوں کی نفی کر رہا تھا۔ ان کے سامنے کی بچی، بہو، عزت، اب بیوہ۔ ان عورتوں کی باتیں، دل تسلیم کرنے لگا۔ کوئی بات ضرور ہے۔ ورنہ انہوں نے رکا ہوا سانس خارج کر کے سر جھکا لیا۔

''ابھی پانی سر سے اونچا نہیں ہوا۔ ماشا اللہ شادی والا گھر ہے اور خاندان بھر سے لڑکیاں جمع ہیں۔ دیکھ کر راحیل اور یوسف کی منگنی کر دیں۔ ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈالیں گی تو سدھر جائیں گے۔''

وہ دھیرے دھیرے سر ہلانے لگیں۔ صفیہ اور زینت ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئیں۔ گویا ضرب بہت شدید اور ٹھیک ٹھاک لگائی گئی تھی۔

''جی امی!'' ماں کے بلانے پر یوسف فوراً آ گیا۔

''راحیل کدھر ہے؟'' سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے کلب چلا گیا ہے تاکہ وہاں کے انتظامات دیکھ سکے۔ رات کو بارات کے استقبال کے لئے۔''

''تم سے ایک بات کہنی تھی؟''

''جی فرمائیے۔'' ان کے برابر بیٹھ گیا۔

''جلدی میں ہو؟'' بغور جائزہ لیا۔

''جی، آئسکریم کا آڈر چیک کرنا ہے۔''

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ آج کلب میں سب لڑکیاں موجود ہوں گی تم کو اگر کوئی لڑکی پسند آتی ہے تو نام لے لینا ورنہ میں خود ان میں سے کوئی لڑکی پسند کر لوں گی۔''

یوسف ہنسنے لگا۔ ''امی اتنی جلدی۔''

''ظاہر ہے اب بہن رخصت ہو رہی ہے تو آبگین پر بوجھ بڑھ جائے گا۔''

''امی! میری کوئی خاص پسند نہیں ہے۔ آپ جسے میرے لئے پسند کریں گی میں سر جھکا دوں گا۔ آخر مشرقی لڑکا ہوں۔'' وہ شرارت سے ہنسا۔

''بس اسے آپ کی بہو کی طرح تمیز دار ہونا چاہئے۔'' اس نے ماں کے شانے پر سر رکھ دیا۔ ''گھر سلیقہ مند کم گو لڑکیاں خاندان کے ورثہ کی حفاظت کرتی ہیں۔''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں تاہم منہ سے کچھ نہیں کہا۔

''زری کی فیملی سے چند لڑکیاں آئیں گی مجھے تو پسند ہیں تم بھی دیکھ لینا۔''

یوسف نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ جو شاید گھر کی خانہ جنگی سے بے بہرہ تھیں یا پردہ پوشی کر رہی تھیں۔

''امی مجھے ساری عمر کنوارہ رہنا منظور ہے مگر اس جیسی چلتر عورت کے خاندان سے رشتہ داری منظور نہیں۔'' وہ سنجیدہ ہوگیا۔ ''میں چلتا ہوں۔'' یکدم ہی کھڑا ہوگیا۔ ''تو اب یہ گل کھلائیں گی۔'' راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے سلگ کر سوچا۔

آبگینہ حسب معمول سادہ مگر قیمتی لباس میں ملبوس ادھر سے ادھر مہمانوں کو اٹینڈ کر رہی تھی۔

زری گروپ دور بیٹھا، اس پر تنقید اور تیکھے فقرے کس رہا تھا مگر اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ اپنی باتوں میں وہ یہ بھول گئی تھیں کہ آگے یا پیچھے کوئی آبگینہ کا خیر خواہ بھی ہوسکتا ہے۔

اور نگین کی دوست ماہ منیر آبگینہ سے متعلق ہتک آمیز گفتگو سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔ کسی کا اخلاق اتنا پست بھی ہوسکتا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ حالانکہ آبگینہ جیسی لڑکیوں پر آنکھ بند کرکے اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ اور جب اس نے یہ ساری گفتگو آبگینہ کے گوش گزار کری تو اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وقت اسے کس موڑ پر لے آیا تھا۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ نہ سکی۔ ماہ منیر نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''بس آپ اتنا کریں بھابی کہ آنے والے حالات کے لئے خود کو تیار رکھیں۔ اس لئے کہ اس عورت کے عزائم اچھے نہیں، میں تو حیران ہوں کہ یہ عورت اس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔'' اس کے لہجے میں حد درجہ تحیر تھا۔

''جاؤ نگین سے مل لو، رخصتی ہونے والی ہے۔'' آبگینہ نے اس کا دھیان ہٹایا اور وہ اسے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

''آج تو آفت لگ رہی ہو۔'' اس کی تنہائی کا منتظر عابد قریب آ گیا۔ اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

''دل چاہ رہا ہے کہ ابھی۔'' ذو معنی جملہ ادا کرتے ہوئے وہ قریب ہوا۔ اور دور سے آتے ہوئے یوسف نے یہ منظر بڑی حیرانی سے دیکھا۔

آبگینہ ایک نفرت بھری نگاہ اٹھا کر جھٹکے سے پلٹی پانی سے بھری آنکھوں نے قریب آتے یوسف کو نہیں دیکھا نتیجے میں زور سے ٹکرا گئی۔

''سنبھل کر بھابی۔'' اس نے دھیرے سے شانوں سے تھام کر سنبھالا۔ مچلتے ہوئے آنسو رخساروں پر پھسلتے ہوئے چلے گئے۔

''بھابی۔'' آبگینہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ یوسف عجیب سے تاثرات لئے کھڑا رہ گیا۔ عابد اپنی جگہ پر نہیں تھا۔

عابد کا انداز، بھابی کے آنسو، بڑا عجیب امتزاج تھا۔

''یوسف کم از کم تقریب کا ہی خیال کر لیتے۔'' پشت سے آواز ابھری۔ وہ جھٹکے سے گھوما۔

''سب کی نگاہیں تم پر تھیں۔''

''ہاں، اگر بھابی کی جگہ آپ بھی ہوتیں تو نگاہیں ہم پر ہی ہوتیں۔'' سلگ گیا۔

''لو میرا اور اس کا کیا مقابلہ۔'' زری نے سر جھٹکا۔

''آپ کا اور ان کا ہی تو مقابلہ ہے، باقی تو سب......'' دانت پیس کر اسے دیکھا۔ اور پھر ایڑیوں پر گھوم گیا۔

''ہائے ڈیشنگ!'' زری کی کزن جگنو قریب آ گئی۔ آنکھوں کی چمک نے جاتے ہوئے یوسف کا پیچھا کیا۔

''ہائے ملوا تو دیتیں۔ سچ' اپالو ہے۔'' اس نے ناز سے بال جھٹکے۔

''بلوا دیتی تو فیصلہ ابھی ہوجاتا۔ موصوف چاروں شانے چت ہوجاتے۔'' اس کی زبان پر چٹخارہ تھا۔

''فکر نہ کرو تم۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر پلٹ گئی۔

"میرا خیال ہے بھرے ہوئے گھر میں اگر کوئی ہنگامہ ہوتو بہتر ہوگا نا کہ فوراً ہی نکال باہر کیا جائے۔"

زری کے شاطر ذہن نے منصوبہ بندی کی۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ عابد اس سے شادی کرنا چاہتا ہے کسی بھی ہنگامی صورت حال میں شادی نہیں ہوئی، بدنامی ہوئی، اور ہتک آمیز لمحے انسان کا دماغ پلٹ سکتے ہیں۔ آپ اپنے دام میں صیاد بھی آ سکتا ہے۔

زری آبگینہ کو گھر سے بے دخل کرنے کے لئے عابد کو استعمال کر رہی تھی۔ وہ عابد کے جذبات سے غافل نہیں تھی مگر اس نے باریک بینی سے یہ نہیں سوچا کہ بازی پلٹ گئی تو کیا ہوگا۔

کبھی کبھی انسان انتقام کی راہ پر چلتا اتنا دور نکل جاتا ہے کہ واپسی کا راستہ دشوار ہو جاتا ہے۔ انتقام، انتقام بھی خود ساختہ تھا۔

❁……❁……❁

"تو آپ نہیں بتائیں گی کہ آپ کیوں رو رہی تھیں؟"

"بتا تو دیا کہ نگین کی جدائی نے رلا دیا تھا۔"

"مگر آپ نگین کے پاس تو نہیں تھیں۔ آپ کو تو عابد نے کچھ کہا تھا۔ معلوم نہیں مجھے کیوں یقین ہے۔"

"تمہارا وہم ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔" نگاہ چرالی۔

"آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔" یوسف نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

"کیا!" خود کو چھپا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"یہ میں آپ کو کچھ دن بعد بتاؤں گا۔ میں بھی اسی گھر کا فرد ہوں۔" اسے دیکھتا ہوا یوسف باہر نکل گیا اور آبگینہ بیٹھی رہ گئی۔ اس کا وجود شعلوں کی زد پر تھا اس کی زندگی کی کشتی جانے کس بھنور میں پھنس گئی تھی۔

❁……❁……❁

"اچھا!" شارقہ نے بڑی حیرت سے زری بھابی کی بات سنی۔

"لو تمہیں کچھ خبر ہی نہیں ہے۔" گال پر انگلی ٹکا کر معصومیت کی انتہا کر دی۔

"نہیں تو! میں تو کافی عرصے کے بعد شادی میں شرکت کے لئے آئی ہوں۔" شارقہ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"اس لئے کہتے ہیں کہ گھر میں کنوارے جیٹھ، دیور، بھائی ہوں تو گھر والوں کو آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔ تم لوگوں کی ناک کے نیچے مظلومیت کے پردے میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے تم لوگوں کو خبر ہی نہیں۔" اپنے منحوس عزائم میں شارقہ کو شامل کیا۔

"اچھا! مگر وہ ایسی لگتی تو نہیں ہیں۔"

"اس کی شکل پر مت جاؤ۔ کرتوتوں کی کالی ہے، اسکول جانے کے بہانے جانے کس کس کے ساتھ جاتی پھرتی ہے۔ اس گھر میں یوسف اور راحیل کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔ تم عابد کو کام سے بھیجتی ہو یہ اپنی لچھے دار باتوں میں الجھا کر اپنا الو سیدھا کرتی ہے اور وہ معصوم جانے کیا خواب دیکھتا ہے۔"

"آپ نے امی کو بتایا؟"

"ہاں بتایا ہے مگر انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اب تمہیں خبر دار کر رہی ہوں۔" تجاہل عارفانہ سے کہا۔ اور شارقہ کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہونے لگیں۔

شیطان اپنا کام کر گیا تھا۔ "آج تو ولیمہ ہے میں کل امی سے بات کروں گی۔"

شارقہ نے فیصلہ کن انداز میں انہیں دیکھا اور وہ زیر لب شیطانی انداز میں مسکرا دی۔

آج ولیمہ تھا۔ آف وائٹ ہلکی سی ایمبرائیڈی والا سوٹ زیب تن کئے بالوں کا سادہ سا جوڑا بنائے۔ شانوں پر دوپٹہ سنبھالتی، آبگینہ، اشنا کے بالوں میں کلپ لگا رہی تھی۔ جب شارقہ اندر آئی۔

"شارقہ تم! آؤ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔"

اس نے گہری خاموش نظر سے سر سے لے کر پاؤں تک اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ کانوں میں ہلکے سے ٹاپس تھے۔

"ایک بیوہ کو ایسی تیاریاں زیب نہیں دیتیں آبگینہ۔" اس کا سلگتا ہوا لہجہ، آبگینہ دم بخود رہ گئی۔

"آبگینہ۔" اس نے بھابی بھی نہیں کہا۔ ایسی نسبت ...ایسا کیا ہو گیا تھا۔

اور اندر آتا یوسف ٹھٹک گیا۔

"ہمارے بھائی کو کھا کر کیسے خوش مطمئن اور سہاگن بن کر پھر رہی ہو مگر یاد رکھو جو کھیل تم کھیلنے لگی ہو اس کو ختم سمجھو، کل کا سورج تمہیں اس گھر میں نہیں دیکھے گا۔"

"شارقہ۔" وہ بیڈ پر گر سی گئی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

شارقہ شک، حسد رقابت کے رنگوں میں رنگی گئی تھی۔

"ہم نے تمہیں عزت دی، تحفظ دیا، امان دی، اور ......اور تم اس گھر میں رہ کر یہ کیا کیا گل کھلا رہی ہو۔ بدچلنی کی بھی حد ہوتی ہے۔"

"شارقہ۔" یوسف آگے بڑھا۔ اور "چٹاخ چٹاخ" بہن کے منہ پر تھپڑ مارے۔ اور کمرے سے باہر کھڑی زری شاطرانہ انداز میں ہنس دی۔

شارقہ ہکا بکا رہ گئی۔

"تمہیں شرم آنی چاہئے یوں بھابی کو بے عزت کرتے ہوئے۔ یہ تم کس انداز میں کس سے بات کر رہی ہو۔"

"تم! تم۔" شارقہ کے گمان میں بھی نہیں تھا یوسف آسکتا ہے اور اسے تھپڑ مار سکتا ہے۔

"شرم مجھے نہیں تمہیں آنا چاہئے جو امی ابو کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہو۔ بلاتی ہوں میں انہیں۔ مجھے کیوں مارا۔" وہ جھپٹ کر باہر نکل گئی۔

"بھابی!" خجل و خفت زدہ ہو کر یوسف اس کی جانب بڑھا اور نرمی و ہمدردی کی دیوار اس پر ڈھے گئی۔ اس کے اعصاب ششدر رہ گئے۔ زری کے اشارے پر کمرے سے باہر نکلتی شارقہ نے پلٹ کر کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے لاک کر دیا۔

زری صوفے پر بیٹھ گئی۔ شارقہ "امی، امی ابو" سوچے سمجھے بغیر جذباتی انداز میں روتے ہوئے باہر بھاگی۔

زینت بانو، زری ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسی تھیں۔

منصوبہ کامیاب رہا تھا بس کردار بدل گئے تھے۔ عابد کو اندر بھیج کر باہر سے دروازہ بند کر کے شور مچا دینا تھا کہ بند دروازے کے پیچھے کیا گل کھلایا جا رہا تھا۔ یہی کام اور زیادہ جذباتی انداز میں بہن نے ... با تھا۔ وہ زیادہ نتیجہ خیز رہا تھا۔

تو ... سب لاؤنج میں آگئے۔

مہمان کلب جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ آج آبگینہ کا ولیمہ تھا۔

"یہ کیا ہو گیا تھا۔ زری اپنے ساتھیوں کے ساتھ تماشائی بن گئی تھی۔

مومنہ خاتون، باقر علی، ان کے بڑے بھائی، واثق علی، بہنوئی عدیل مرزا۔ سب جمع ہو گئے۔

"کھولیں دروازہ اور ایک بہو کے کرتوت اور بیٹے کے لچھن دیکھ لیں۔"

باقر علی نے دروازہ کھولا۔

آبگینہ ساکت بیٹھی تھی اور یوسف دروازہ بجا رہا تھا۔ پیٹ رہا تھا۔ دروازہ کھل گیا۔ اور ... اندر کے منظر نے باہر والوں کو ہکا بکا کر دیا۔ بند دروازے کے پیچھے بہو، بہو کا سنگھار اور جواں دیوار سے بیٹھی کی موجودگی عجیب داستان سنا رہی تھی۔

اور ہکا بکا کھڑے یوسف نے ہجوم بے کراں کو دیکھ کر سارا ڈرامہ سمجھنے میں دیر نہیں لگائی۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وقت ہی مصنف اور گواہ تھا۔

"یوسف!" ابو کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

"شارقہ! تم نے کمرے کا دروازہ لاک کیوں کیا تھا؟"

"تاکہ ابو امی اور دنیا والوں کو آپ کے

دکھا سکوں۔''

''شارقہ!'' اس کا خون کھول گیا۔'' بکواس بند کرو اپنی۔''

مومنہ خاتون نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ زری زور زور سے بول رہی تھی ہم تو برے اور جھوٹے تھے۔ اب تو بہن نے پکڑا ہے۔ امی نے اندر جا کر اسے پیٹ ڈالا۔ اور مردوں کے ساتھ کھڑا عابد اپنی کشتی ڈوبتے دیکھ رہا تھا۔ بدنامی کا کھیل کھیل کر اس سے نکاح کرنا تھا۔

''بول، حرافہ، کمینی یہ دیا ہے تو نے ہماری محبتوں کا جواب۔''

''تایا ابو آپ دیں میری گواہی۔ میں پانچ منٹ پہلے آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کے کہنے پر گاڑی کی چابی اور کارڈ لینے آیا تھا۔''

''رک جاؤ مومنہ۔'' باقر علی کو بیٹے کی بات میں وزن محسوس ہوا۔

''نکل جا اسی وقت اس گھر سے۔'' انہوں نے اسے دھکیل دیا۔

''مومنہ!'' اب کے ان کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔'' گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے اور ہمیں نگین کے ولیمہ میں جانا ہے۔ چلیں تیاری کریں اس بات کا فیصلہ آ کر کریں گے۔''

زری پہلو بدل کر رہ گئی۔ اسے اپنے منصوبے کی ناکامی کا احساس ہوا۔ اپنی جلد بازی پر افسوس، اس واردات کے لئے عابد زیادہ بہتر تھا چونکہ غیر تھا۔ فیصلہ فوری ہو جاتا اور وہ ادھر ہی رہ جاتی، آبگین کو نکال دیا جاتا۔ نگین رخصت ہو چکی تھی اس کے پاس نادر موقع تھا مگر!

اس نے ہاتھ ملے...... دیر ہو چکی تھی۔

''نہیں، فیصلہ ابھی ہوگا؟ اس نے خاندان کی ناک کاٹ دی ہے۔ غضب خدا کا ہماری ہی ناک کے نیچے اور میں بے خبر رہی۔'' ان کا لہجہ غضبناک تھا۔

''امی پلیز!'' یوسف نے ان کا ہاتھ تھاما۔ یہ سازش ہے سمجھیں آپ۔''

''سازش، کیسی سازش اور کون کرے گا یہ سازش؟'' ہاتھ جھٹک دیا۔ ''اس کے گھر فون کر کے اس کی ماں کو بلاؤ اور کہو لے جائیں آ کر اپنی سوغات کو۔''

''امی...... یہ الزام ہے تہمت ہے معصوم بھائی پر۔''

انہوں نے اسے ہاتھ جڑ دیا۔'' بکواس مت کر۔''

''سنا نہیں آپ نے۔'' باقر علی نے سرزنش والے انداز میں اسے دیکھا۔

''نہیں فیصلہ ابھی ہوگا۔ اسی وقت ہوگا۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔'' ان پر ضد سی سوار ہو گئی۔ اور آبگین گم صم ساکت سی، سارے عذابوں کو، گھڑی کو خود پر گرتا دیکھ رہی تھی، سارے الزام دل پر سہہ رہی تھی۔

''بھابی بولیں، آپ، ایسی کوئی وجہ، کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تو شارقہ کی بکواس پر صرف اس کو مارا تھا۔ اس نے اتنا بڑا قدم اٹھالیا۔ بولو شارقہ۔ بتاؤ ابو کو۔'' یوسف نے پہلے آبگین کو جھنجوڑا، اور پھر شارقہ کو پکڑ کر سامنے کیا۔

''سچ کڑوا ہوتا ہے بھابی، اگر میں جھوٹی ہوں تو یہ سب میری گواہی نہیں دیں گے۔'' وہ غرور سے گردن اکڑا کر کھڑی تھی۔ اور زری کی بامعنی ہنسی نے یوسف کو کھولا کر رکھ دیا سارا کیا دھرا اس عورت کا ہی تو تھا۔

''مومنہ! جو بھی فیصلہ ہوگا سچ کی روشنی میں ہوگا اور سچ اتنی جلدی ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یہ دو فریقوں کی عزت کا سوال ہے۔ آبگین گھر کی بہو بیٹی اور یوسف بیٹا ہے اگر ان پر اس بات کا الزام ہے تو سزا انہیں ملے گی۔ دربدر کیا جائے گا انہیں۔''

آبگین کا دل چاہا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔ شرمندگی اور بے عزتی سے۔

''ابو!'' یوسف جھنجلا گیا۔

''اگر یہ الزام جھوٹ ہوا تو انصاف ہوگا۔ دونوں کے ساتھ۔''

واثق علی نے اپنے جج ہونے کا پورا ثبوت دیا۔

''اس لئے اس وقت سب ولیمہ میں جانے کی تیاری کریں فیصلہ صبح ہوگا۔ چلو باقر مومنہ کو لے کر اندر جاؤ۔'' انہوں نے بڑے پن کا ثبوت دیا۔

زری کے دل پر سانپ لوٹ گئے۔ بازی کوئی اور رخ پر چلی گئی تھی۔

باقر علی نے بھائی کے کہنے پر عمل کیا۔

''آپ لوگ بھی جائیں۔'' انہوں نے دھیمے اور پروقار انداز میں باقی سامعین اور تماش بینوں کو بھی جانے کے لئے کہا۔

یوسف لب بھینچے کھڑا تھا۔ واثق علی نے آگے بڑھ کر آبگینہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تایا ابو!'' وہ بلک بلک کر رو دی۔ ''میں بے قصور ہوں، میرا جرم صرف اتنا ہے کہ بیوہ ہوں، کیا، کیا بیوہ کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے؟''

انہوں نے دھیرے سے ہاتھ سر پر تھپتھپایا۔

''بے شک تمہارے ساتھ انصاف ہوگا۔'' ایک گہری پرسوچ نگاہ آبگینہ کے اشکبار وجود پر ڈال کر یوسف کے شانے پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل گئے۔

بچے جانے کہاں تھے۔

اس نے جھپٹ کر دروازہ بند کیا اور بستر پر گر کر بھل بھل روتی چلی گئی۔ اتنا بڑا رکیک الزام، تہمت، میرا خدا میں مر کیوں نہ گئی۔

عاصم! عاصم وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے چلی گئی۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہوا، یہ کیسے اس کے چہرے پر خاک مل گئی ہے اس نے تو کبھی کسی کو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا پھر! عاصم! عاصم مجھے اپنے پاس بلا لو۔ مجھے اپنے پہلو میں لٹا لو زندگی بوجھ بن گئی ہے۔ میں عزت سے جینا اور عزت سے مرنا چاہتی ہوں۔ وہ بے آواز روتی اپنے رب کے سامنے سرنگوں فریاد کرتی رہی۔

''اور خدا بے شک سنتا اور جانتا ہے۔''

صبح ایک نئی صبح کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اس کی پاکیزگی اور حرمت کا فیصلہ کیا جانا تھا۔

وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں سب بڑے جمع تھے۔ اس کے امی، ابو کو بھی بلایا گیا تھا۔

''ہوں!'' واثق علی نے یوسف کی بات سنی وہ اس کے گواہ تھے کہ کل صبح سے یوسف ان کے ساتھ تھا۔ سب کچھ شارقہ کی جلد بازی کی وجہ سے ہوا تھا۔ جب اس سے اس کے سخت اور مشتعل رویے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے زری بھابی کا نام لے دیا اور ساری بات کہہ سنائی۔ زری بغلیں جھانکنے لگی۔

''شارقہ! کیا تم نے آبگینہ میں کوئی ایسی حرکت دیکھی تھی؟''

''نہیں تایا ابو، میں یہاں بہت کم آتی ہوں۔ مجھے انہوں نے ہی بتایا کہ آبگینہ بھابی کے مختلف مردوں سے تعلقات ہیں اور وہ اب گھر کے مردوں پر۔'' اس نے جھجک کر باقی لفظ روک دیئے۔

آبگینہ ساکت چہرے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''زری! تم نے ایسا کیا دیکھا تھا؟'' تایا ابو کا لہجہ سخت تھا وہ اس عورت سے بہت خائف تھے۔ اس جاہل عورت نے اک طوفان بدتمیزی اٹھا رکھا تھا۔ اپنی جہالت کی وجہ سے کتابیں پڑھنے سے تعلیم حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک تربیت شعور کو اجاگر نہ کرے۔''

''جی تایا ابو۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ میں امی کو بتا چکی تھی۔'' قدرے بے خوف لہجے میں کہا۔

''کیا؟''

''یہ کہ اسکول پڑھانے جاتی ہے وہاں مردوں سے اس کے تعلقات تھے۔ اب گھر کے مردوں کو ہنسی فراق کے ذریعے اپنا گرویدہ بنا رہی تھی اور یہ کہ......''

''کیا گھر کے مردوں سے تم بات نہیں کرتی ہو۔ کیا تمہاری مسکراہٹ کو بھی......'' انہیں طیش آ گیا۔

''تایا ابو۔''

"نیک ہو عقل عورت ہو تم۔ ایک پاکیزہ عورت پر الزام لگانے کی سزا جانتی ہو۔ تم اور تمہیں اس بات کی خبر ہے کہ خدا نے تہمت لگانے والوں کے لئے کیا سزا مقرر کی ہے۔"

"اگر میں جھوٹی ہوں تو اس سے خود ہی پوچھ لیں۔"

"میں تمام فریقین کے بیانات سن کر ہی فیصلہ کر رہا ہوں۔"

"کسی شخص کی کہی ہوئی بات کو بغیر کسی تصدیق کے آگے بڑھانا گناہ عظیم ہے۔ خدا کے نزدیک یہ قبیح فعل ہے۔ اور خدا اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بندوں کی ہتک کی جائے۔"

"تایا ابو۔"

"چپ رہو تم اور آئندہ اپنی گندی ذہنیت کی صفائی کر کے یہاں آنا۔" جھڑک دیا۔

"اور آپ!" انہوں نے آبگینے کے والدین کی جانب دیکھا، خدا کی جانب سے دکھ اور خوشی ودیعت ہوتے ہیں۔ ہمیں جواز تلاش نہیں کرنا چاہئے۔ خدا کا فیصلہ قبول کر لینا چاہئے۔ اگر آپ کی بیٹی بیوہ ہوگئی تھی تو یہ آپ کا فرض تھا کہ اس کا عقد ثانی کرتے۔ وہ اس قابل تھی کہ......"

"ہم نے تو بہت کوشش کی اور سمجھایا بھی، مگر یہ نہیں مانتی تھی۔"

انہوں نے اپنی آنکھوں کو آنچل سے صاف کیا۔ ان کی بیٹی کو کن عذابوں سے گزرنا پڑا اور وہ غافل تھے۔

"دیکھ لیا اپنی جذباتیت کا انجام۔ خدا نے اس ظلم اور بربادیوں سے بچانے کے لئے ہی بیوہ کا عقد ثانی کرنے کا حکم دیا ہے۔"

یکدم ہی امی نے آنچل پر چہرہ جھکا کر رونا شروع کر دیا

میری آنکھ شرمندہ اور اشک بار تھی۔

"باقر علی! تمہیں بھی اس کے بارے میں سوچنا چاہئے تھا۔ عاصم نے اپنی زندگی کے دن پورے کر لئے تھے ایک جوان اور بیوہ عورت کی زندگی کے بہت سے دن باقی ہیں اور زندگی محض بچوں کے سہارے نہیں گزرتی۔ آبگینے تمہیں اس بات کا احساس اچھی طرح ہو گیا ہوگا۔"

مگر وہ کچھ سن نہیں رہی تھی بے اختیار رو رہی تھی۔

یوسف کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ اس کے نام کی رسوائیاں کیسے اس کے دامن میں پہنچی تھیں۔ کتنی قابل احترام اور معتبر تھی اس کی ذات۔

راحت بیگم بھی اشکبار تھیں۔ مومنہ خاتون نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

اس کا دل چاہا بال کھول کر بین کرے، جیسے عاصم آج ہی مرے ہوں۔

"میں نے کہا تھا میں انصاف کروں گا۔" آبگینے کے ساتھ میرا انصاف یہ ہے کہ میں اس کا رشتہ اپنے بیٹے......"

"تایا ابو!" یوسف یکدم کھڑا ہو گیا۔

ہال میں ایک خاموشی سی چھا گئی۔

"آبگینے سے شادی میں کروں گا۔"

"کیا؟" سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"جی تایا ابو! اس گھر سے ذلت، رسوائی کا جو داغ لگا ہے وہ داغ اس گھر کے مکین ہی دھو سکتے ہیں ورنہ دشمنوں نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔" اس نے طنزیہ نگاہ زری پر ڈالی جس کے سینے پر سانپ لوٹ گئے تھے۔

یہاں تو بازی ہی الٹ گئی تھی۔ اس بدترین شکست کا سامنا کرنا تھا۔

آبگینے نے جھٹکے سے بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا۔ اور یوسف کی نگاہ بدلی تو دل کا قرار لٹتا چلا گیا۔

"سوچ لو بیٹا! یہ جذباتی فیصلہ نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو

Digest Library .com

کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے۔"

جی، تایا ابو میں نے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہے۔ کہیں اور عقد کرنے سے نہ صرف بچے دربدر ہو جائیں گے بلکہ عاصم بھائی کی روح بھی پریشان ہو جائے گی۔ بچے ماں کے آنچل تلے ہی سمٹے اچھے لگتے ہیں۔" اس نے مضبوط اور بردبار لہجے میں کہا۔

باقر علی اور مومنہ خاتون اس کی شکل ہی دیکھتے رہ گئے۔

"آبگین تمہیں قبول ہے؟" انہوں نے آبگین کی جانب رخ کیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ہاں کرے، نا کرے، کہاں جائے؟

تنگ نظر لوگوں نے اس کی زندگی کو کس اسٹیج پر کھڑا کیا ہوا تھا۔

لوگ کیا کہیں گے، خاندان والے کہیں گے کہ الزام سچ تھا۔

باقر علی ٹھنڈے مزاج کے شخص تھے انہیں اپنے بیٹے کا فیصلہ صحیح لگا جبکہ مومنہ خاتون جز بز ہو کر رہ گئیں۔ مگر سامنے ان کے خسر کی حیثیت سے واثق علی تھے۔ کاندان میں ان کا احترام تھا۔ عزت کی جاتی تھی۔ ان کا بڑا پن تھا۔ اور سب اپنے فیصلے ان سے ہی کرواتے تھے۔ لب کھولنے کی اور وہ بھی جرح کے لئے ان میں ہمت نہ تھی۔

"باقر اور مومنہ تمہیں منظور ہے؟"

"جی بھائی جی جب یوسف کو منظور ہے تو ہمیں بھی منظور ہے۔ یہ فیصلہ اس کا اپنا اور اپنی مرضی کا ہے یہاں زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"اور بہن آپ کو؟" وہ راحت بیگم اور وقار علی کی جانب متوجہ ہوئے۔

انہوں نے اقرار میں سر ہلا کر منظوری دے دی۔

"جاؤ راحیل، نکاح خواں کا بندوبست کرو یہ نکاح آج ہی ہوگا۔"

"اتنی جلدی۔" ایک بار پھر سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

گلدستہ

(۱)۔ اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارا کرو۔ (القرآن)

(۲)۔ جب نیکی تمہیں مسرور کرے اور برائی افسردہ کرے تو تم مومن ہو۔ (حضور اکرمؐ)

(۳)۔ لوگوں سے ملو تو اخلاق کی بنا پر اور کٹو تو اعمال کی وجہ سے۔ (حضرت فاروقؓ)

(۴)۔ جو آدمی نہ زبان سے نہ ہاتھ سے اور نہ دل سے برائی کی روک تھام کرتا ہے وہ ایک چلتی پھرتی لاش ہے۔ (حضرت علیؓ)

(۵)۔ خدا کا فرماں بردار اگرچہ مردہ ہو، زندہ ہوتا ہے کیونکہ فرشتے اس کی فرماں برداری پر ہمیشہ آفرین کہتے ہیں۔ (حضرت سیدنا علی ہجویریؒ)

(۶)۔ دشمن سے ہر وقت بچتے رہو مگر دوست سے اس وقت بچو جب وہ تمہاری بے جا تعریف کرنے لگے۔ (شیخ سعدیؒ)

حافظہ مسرت بانو، ہارون آباد

تاریخ الخلفاء	مولانا جلال الدین سیوطیؒ	240
نفحات الانس	حضرت جامیؒ	330
عوارف المعارف	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	260
غنیۃ الطالبین	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	250
احیاء العلوم مکمل چار جلد	حضرت امام غزالیؒ	1050
کیمیائے سعادت	حضرت امام غزالیؒ	280
منہاج العابدین	حضرت امام غزالیؒ	120
مکتوبات امام ربانی	حضرت شیخ احمد سہر بندیؒ	زیر طبع
مؤطا امام محمد علیہ الرحمۃ	(مترجم) مولانا یسین قصوری نقشبندی	240
شمائل ترمذی	(مترجم) مولانا محمد صدیق ہزاروی	75
عملی نثری تقریریں	(مترجم) مولانا محمد صدیق ہزاروی	66
رسول اکرمؐ کی وصیتیں	(مترجم) مولانا محمد صدیق ہزاروی	25

اسلام بُک ڈپو دکان نمبر ۱۲ گنج بخش روڈ، لاہور

پروگریسو بکس ۴۰-بی اُردو بازار، لاہور فون: ۷۳۵۲۷۹۵

''شرعی کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

اس کا انکار اور اقرار ہونٹوں پر ہی تھا کہ اس کی زندگی کا فیصلہ بھی ہوگیا۔

بازی پوری طرح الٹ چکی تھی۔ اس کی جلد بازی نے اسے رسوا کردیا تھا۔ کاش وہ شارقہ سے وہ سب نہ کہتی تو...... تو معاملہ کچھ اور ہوتا۔ گھر سے بے گھر کیے جانے کے لیے عابد زیادہ بہتر تھا۔ اسے پھر راج کرنے کا موقع ملتا مگر وہ شروع کی جلد باز تھی۔ اب سسرال میں رہی سہی عزت بھی اتر گئی۔ کسی نے اس سے بات نہ کی۔ شارقہ نے سارا الزام اس پر ڈال دیا تھا۔

زینت اور جہاں آرا کے منہ بن گئے۔ کیا ہماری بیٹیاں نظر نہیں آئیں کنواری تھیں۔ خوش شکل تھیں، جانے کلموہی نے کیا گھول کر پلا دیا تھا۔

''امی، امی۔'' آبگین ان کی گود میں منہ چھپا کر رو دی۔

''بس بیٹا! اب خاموش ہوجاؤ اتنا رونا ٹھیک نہیں ہے تم، تمہارا مستقبل اور تمہارے بچے سب محفوظ اور مامون ہوجائیں گے۔'' دھیرے سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''امی وہ سب باتیں درست ہوجائیں گی، وہ الزامات......''

''آبگین یہ تمہاری مرضی نہیں یوسف کا فیصلہ ہے۔ الزامات لگانے والوں کے منہ خود ہی بند ہوجائیں گے۔ خدا ہمیشہ سچ کا ساتھ دیتا ہے۔ خدا نے خود انصاف کیا ہے۔ بس میرے بچے اب نہیں رونا!'' اس کی پیشانی چوم لی۔ آبگین نے ان کی گود میں منہ چھپالیا۔

اور پھر شام تک گھر سے رخصت ہونے والے مہمان یوسف اور آبگین کے نکاح میں شامل ہوئے۔ زری بچوں سمیت چلی گئی۔ خرم بھائی موجود تھے۔ یوں سادگی سے ایک اور فریضہ ادا ہوگیا۔

وہ آبگین عاصم علی سے آبگین یوسف علی بن گئی تھی۔ سب مہمان رخصت ہوگئے۔ باقر علی، مومنہ خاتون نے اسے پیار کیا۔ شارقہ نے معافی مانگی۔ اس نے کھلے دل سے معاف کیا۔

راحیل نے اسے پھول دیئے۔ ''اچھے لوگوں کو ہمیشہ گھر میں رکھنا چاہیئے بھابی۔ مجھے نئے رشتے کے حوالے سے بھی آپ پسند ہیں۔''

وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

خولہ نے اور بھائی جان نے گلے لگا کر مبارکباد دی۔

''آبگین!'' خولہ نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تم خوش رہنا یہ قسمت کا فیصلہ ہے تقدیر اس گھر کے مکینوں کی محبت تمہارے نام کرچکی ہے۔''

''خولہ۔'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''لوگ کیا کہیں گے میں نے ان کے کفن کے میلا ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا۔'' اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ خولہ نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

''تمہارا اور عاصم بھائی کا ساتھ بس اتنا ہی تھا، یوسف تمہارے لیے مخلص ہے۔ تمہارے لیے ڈھال بن گیا ہے اس کی قدر کرنا۔''

وہ بس آنچل سے چہرہ صاف کرکے رہ گئی۔

ایک دم سے یوں محسوس ہونے لگا جیسے گہری خاموشی اس کے گرد پھیل گئی ہو۔ عجیب سی بے سکونی نے اسے گھیر لیا تھا۔

ایک ایک کرکے سب مہمان چلے گئے۔ کل ولیمہ ختم ہوگیا تھا۔ آج نگین اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔

تاہم ابھی تھوڑی دیر پہلے فون پر اس نے مبارک باد دی تھی۔ تاہم یہ ضرور پوچھا کہ سب کچھ اتنا اچانک کیسے ہوگیا تھا۔ اس کے ہونٹ سل گئے۔

اپنی بدنامی کی داستان کیسے سنا ڈالتی۔ بچے جانے کہاں تھے۔ وہ اپنے کمرے میں گم صم بیٹھی تھی۔

رات جب سونے کے لئے لیٹی تو دروازے پر دستک سے اٹھ بیٹھی۔

Digest Novels Lovers group

''کون؟''

''میں ہوں یوسف۔''

''یوسف!'' اس کے دل میں پکڑ دھکڑ ہونے لگی۔ ثانیہ بھر بعد دروازہ کھولا۔ مسکراتا ہوا چہرہ سامنے تھا۔ دوسرے پل چونک گئی۔ یوسف عاصم سے کتنا مشابہہ تھا۔

''میں اندر آجاؤں۔'' بامعنی لہجہ تھا اس نے راستہ دے دیا۔

''ڈسٹرب کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔'' رسم نبھائی، وہ شاکی سی ہوگئی۔ (ساری زندگی کو ہی ڈسٹرب کردیا تھا تو پھر اب!)

''ایسا کیوں کیا یوسف؟'' بے اختیار سر اٹھایا۔ ''مجھے میری نظروں سے گرادیا۔''

''نہیں۔ ایسا کبھی سوچئے گا بھی نہیں، میں نے آپ کو ایک عظیم مرتبہ دیا ہے۔ الزام تراشیوں سے بچایا ہے اور یہ میرا فرض تھا۔ مجھے اپنا بھائی بہت عزیز تھا۔''

اس نوازش پر اس کی آنکھیں بھیگنے لگی۔ اس کا گمبھیر لہجہ عاصم کے لہجے سے مل رہا تھا۔ ''میں عاصم سے بے وفائی کرگئی ہوں۔''

''نہیں، وفا یا بے وفائی زندہ ہستیوں سے مشروط ہوتی ہے۔ مرجانے والوں کو پیچھے رہ جانے والوں کی متعلق پرواہ نہیں ہوتی ہے اور نہ فکر۔''

وہ سن سی بیٹھی رہ گئی۔

''اور سن لیں۔ میں نے ازراہ ہمدردی کوئی کام نہیں کیا۔''

وہ نگاہ جھکائے بیٹھی رہ گئی۔

ایک سلجھی ہوئی نگاہ اس کے الجھے ہوئے سراپا پر ڈالی۔ اور پھر جانے کیا سوچ کر وہ اس کے قریب آیا

کرنیں

☆۔ یادرکھو، جس شخص میں ایمان نہیں، وہ مسلمان کہلانے کے لائق نہیں۔

(حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆۔ اللہ تعالیٰ اس جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جو تمہارے خواب وخیال میں بھی نہیں۔

(القرآن)

☆۔ سخاوت کے ساتھ احسان رکھنا نہایت کمینگی ہے۔

(حضرت علیؓ)

☆۔ اللہ جب کسی بندے کو حقیر سمجھتا ہے تو اسے علم سے محروم کردیتا ہے۔

(حضرت علیؓ)

ایس کنول خانزادہ ٹنڈوالہ یار

اسلامی کتب

رہنمائے نماز	پروفیسر خلیل احمد نوری	120/-
برکات بردہ	علامہ فضل احمد عارف	90/-
شرح ابیات باہوؒ	حضرت سلطان باہوؒ محمد علی چراغ	160/-
کلام باہوؒ	حضرت سلطان باہوؒ محمد علی چراغ	40/-
شمس العارفین	حضرت سلطان باہوؒ محمد علی چراغ	60/-
اورنگ شاہی، نورالہدیٰ	حضرت سلطان باہوؒ محمد علی چراغ	60/-
اسرار قادری	حضرت سلطان باہوؒ محمد علی چراغ	60/-
خلفائے راشدین	محمد علی چراغ	260/-
مکاشفۃ القلوب	امام غزالی/شریف نوری	180/-
اسلام	امام غزالی/شریف نوری	90/-
انسان کی اندرونی قوتیں	عالم عدیل	99/-
معالی الہمم	حضرت جنید بغدادیؒ	75/-

نذیر سنز پبلشرز

40/A- اُردو بازار لاہور، پی او بکس 712، فون: 7123219

اور دوزانوں ہو کر سامنے بیٹھا۔

''جو ہو چکا ہے اسے بھول جانا چاہئے جو ہو گیا ہے وہ ختم نہیں ہو سکتا الجھنا بے معنی ہے اب صرف یہ دیکھیں کہ آگے کے سفر کے لئے کیا کرنا ہے۔''

یک بیک اس کے ہاتھ تھام لئے ایک سرد سی لہر نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اور دھیرے سے ہاتھ دبا کر کھڑا ہو گیا۔

یوسف کا انداز، لہجہ، نشست اور اور لمس اس کے وجود میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ مانوس سی کلون اس کے قریب بکھرتی چلی گئی۔ اف! میرے خدا...... یہ تو عاصم کا کلون استعمال کرتا ہے۔

پھر یوسف اٹھا اور اس کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

شارقہ خصوصی طور پر اس کا لباس خرید کر لائی تھی۔ ہاتھوں پر مہندی لگائی گئی تھی۔ فیشل، بلیچ، تیاری، میک اپ، وہ اندر ہی اندر خفت اور خجل محسوس کرتی رہی مگر ان سب لوگوں کے چہرے مطمئن اور شاداں تھے۔ کسی کے چہرے پر قابل اعتراض بات نہ تھی۔

اس کے میکے والے بھی موجود تھے۔ خولہ بہت شوخ ہو رہی تھی۔ جبکہ اس کے چہرے پر دبیز سنجیدگی کی تہہ تھی جو اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی۔ لائیٹ گرین اور گولڈن امتزاج کا اور گنزا کا اسٹائلش سا سوٹ ہلکا ہلکا سا میک اپ ہاتھوں میں سرخ سرخ نقش ونگار اور اس کے آگے کلائیوں میں سبز سبز چوڑیاں۔ کہیں سے بھی وہ شادی شدہ دو بچوں کی ماں نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، شوخ نظروں سے دیکھتا یوسف، اچھا لگ رہا تھا۔ آبگین کے اندر سرد سی جنگ جاری تھی۔ بظاہر مسکرا رہی تھی۔

جوڑی چونکہ اچھی لگ رہی تھی اس لئے کسی نے کچھ کہا ہی نہیں سب کو یہ فیصلہ قابل تحسین ہی لگا تھا۔

ہاں زری کو اس شادی میں بلایا ہی نہیں گیا تھا۔ صاف لفظوں میں منع کر دیا گیا تھا اور وہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کا روپ اختیار کر گئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو ڈس آتی اس کی تمام کوششوں پر محض ذرا سی جلد بازی سے پانی پھر گیا تھا۔ آبگین کے قدم اور بھی مضبوط ہو گئے تھے۔ ورنہ تو اب تک اس کا ہی راج ہوتا۔

عابد خود ہی نہیں آیا تھا۔

خدا نے اس کے صبر کا اجر دیا تھا۔

رات گئے سب مہمان رخصت ہو گئے۔ بچوں کو راحت بیگم اپنے ساتھ لے گئی تھیں تا کہ ان کی بیٹی ڈسٹرب نہ ہو۔

پھر شارقہ اسے یوسف کے کمرے میں لے آئی۔

اس کے قدم من من بھر کے تھے۔

''آج سے یہ کمرہ آپ کا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''شارقہ بچے کہاں ہیں؟'' دھیرے سے سر اٹھایا۔

''بچے نانی لے گئی ہیں۔ آپ کو زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس آپ امی ابو کے لاڈلے کی فکر کریں۔'' شارقہ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر سر اٹھایا۔ اس کمرے میں ہزار بار آئی تھی صفائی وغیرہ کروائی تھی۔ مگر آج! ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ یکدم چونک گئی۔ کمرے کی سیٹنگ نئی تھی۔ پردے ریڈ کلر کے نئے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کا سامان سجا تھا۔ کارپٹ پردوں کے ہم رنگ تھا۔ نفیس سی روم اسپرے کی خوشبو اس کی سانسوں میں اتری۔ بیڈ کے بیک کراؤن کے پاس سائیڈ ٹیبل پر بیڈ پر سینٹرل ٹیبل پر گلاب اور موتیا کے پھول اور پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔

اس کی آنکھ نم ہونے لگیں، عاصم کو بھی اسی طرح کی سیٹنگ پسند تھی اور گلابوں کا کریز۔

Digest Library.com

کھانسی کی آواز پر چونکی سامنے یوسف سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ گولڈن راؤ سلک کا شلوار کرتا' گولڈن کھسہ' گلابوں کے ہار' جو وہ اب گلے سے اتار رہا تھا۔ جھک کر سر جھکالیا۔

''السلام علیکم۔'' گلابوں کے سارے ہار اتار کر اس کی گود میں رکھے اور خود اس کے سامنے بیٹھا۔ اس کا کانچ وجود پسینے میں نہا گیا۔ یوسف دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کتنے دکھ اس کے وجود میں کروٹ لے رہے تھے۔ پہلے بھائی اور اب بیوی میرے خدا۔ احترام میں خلوص تو شامل ہوسکتا ہے' محبت کیسے؟

یوسف کے نگاہ اٹھا کر چمکتے ہوئے چاند چہرے کو دیکھا۔ اس کے ساتھ تو ہر لڑکی اچھی لگ سکتی تھی۔ پھر میں ہی کیوں؟

''نئی زندگی مبارک ہو۔'' یوسف نے کہا تو اس نے سر جھکالیا۔

خوشی یوسف کے چہرے پر رقصاں تھی۔

''آج میری زندگی کا سب سے خوبصورت ترین دن ہے۔ محبت کی وجہ' خوشیوں کی نوید۔'' اس کا لہجہ کھنک رہا تھا۔ ''تم کچھ نہیں کہو گی؟ یک بیک اس کے سامنے جھکا سنجیدہ نگاہ اٹھا کر رہ گئی۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔ ناراضگی کا حق بھی ہے تمہیں۔ میں نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟ بس کرلیا' ہوگیا...... محبت سے۔'' لہجے میں سرخوشی تھی۔

''لیکن'' اس نے دھیرے سے ہاتھ تھام لیا۔

''اس کے بعد کا ہر فیصلہ تمہاری اجازت سے ہوگا۔ میں جانتا ہوں پرانے نقش ونگار پر نئے گلزار بنانا بہت مشکل ہے۔ مگر ناممکن نہیں۔ جب تک ہم دوستوں کی طرح رہیں گے۔'' اس نے نگاہ اٹھائی۔ نرم نرم سی مسکراہٹ تھی۔

''اب خود کو مظلوم مت سمجھنا۔'' آبگینے نے نگاہ جھکالی اس کا لہجہ اتنا بے ساختہ' مسکراتا ہوا تھا کہ آنکھوں میں حیرانی لئے اسے دیکھتی رہ گئی۔

یوسف کے چہرے پر سکون تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اس کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند' ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ' سرد سی لہر نے اس کو جھنجوڑ دیا۔

بہت سارے لمحے بے آواز گزر گئے۔ آبگینے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔

پرانی ساری یادیں چھن چھن کرتی اس کے اوپر گرتی چلی گئیں۔

اس کی ہر ادا عاصم سے ملتی تھی۔

یا خدا! اس نے سر اٹھایا۔ یہ سزا ہے یا جزا۔ یا...... یا پھر صبر کا اجر۔

عاصم چھین لیا۔ عاصم کا پرتو دے دیا۔ اسے بھولوں یا یاد رکھوں گی۔

یوسف آنکھیں موندے اپنے نوخیز جذبوں کو محسوس کر رہا تھا۔

یک دم ہاں یکدم ہی نہ جانے کیا ہوا کہ آبگینے نے اپنا بایاں ہاتھ دھیرے سے اس کے گھنے بالوں پر رکھ دیا۔

یوسف کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اس بات کا اسے احساس نہ تھا۔ اس کے چہرے پر محبت کا جو عکس تھا' سرخوشی تھی' جذبوں کی دمک تھی۔ اسے روندنے کا' پامال کرنے کا اسے کوئی حق نہیں تھا۔

قسمت اس پر مہربان ہوگئی تھی تو وہ بھی ناشکرا پن نہیں کرے گی اب۔

اپنے دل میں یادوں کو چھپا کر بس اس شخص کی خوشیوں کے لئے جیے گی۔ جس نے بچوں کی خاطر اسے تحفظ دیا ہے۔

یوسف نے اپنی آنکھوں کو کھول دیا۔ گلابی آنکھوں میں محبت آمیز تشکر تھا۔ نم نم سی حیا آلود مسکراہٹ' اس کے وجود سے کھیل گئی۔